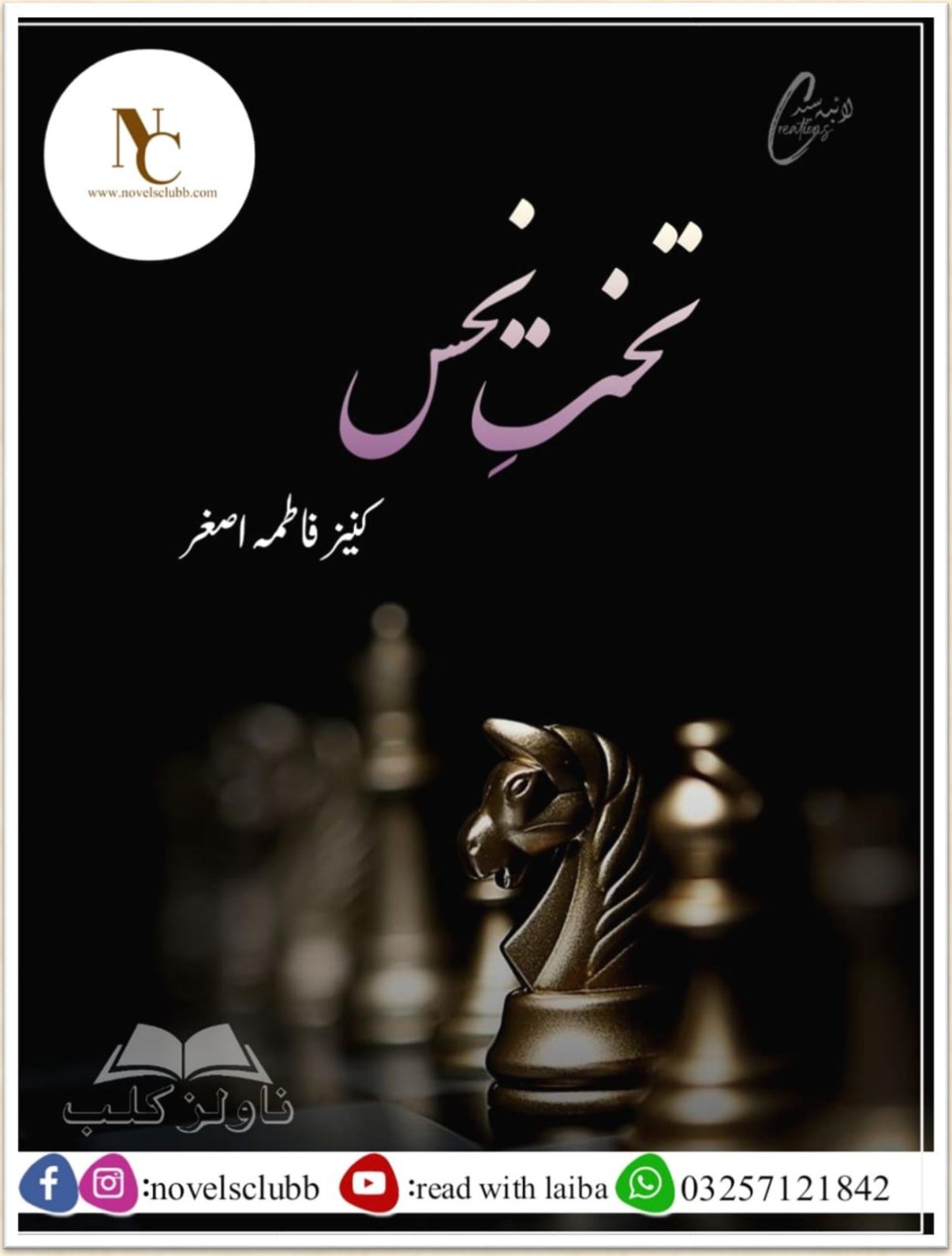
www.novelsclubb.com
تختِ نحس
کنیز فاطمہ اصغر
ناولز کلب
:novelsclubb
:read with laiba
03257121842

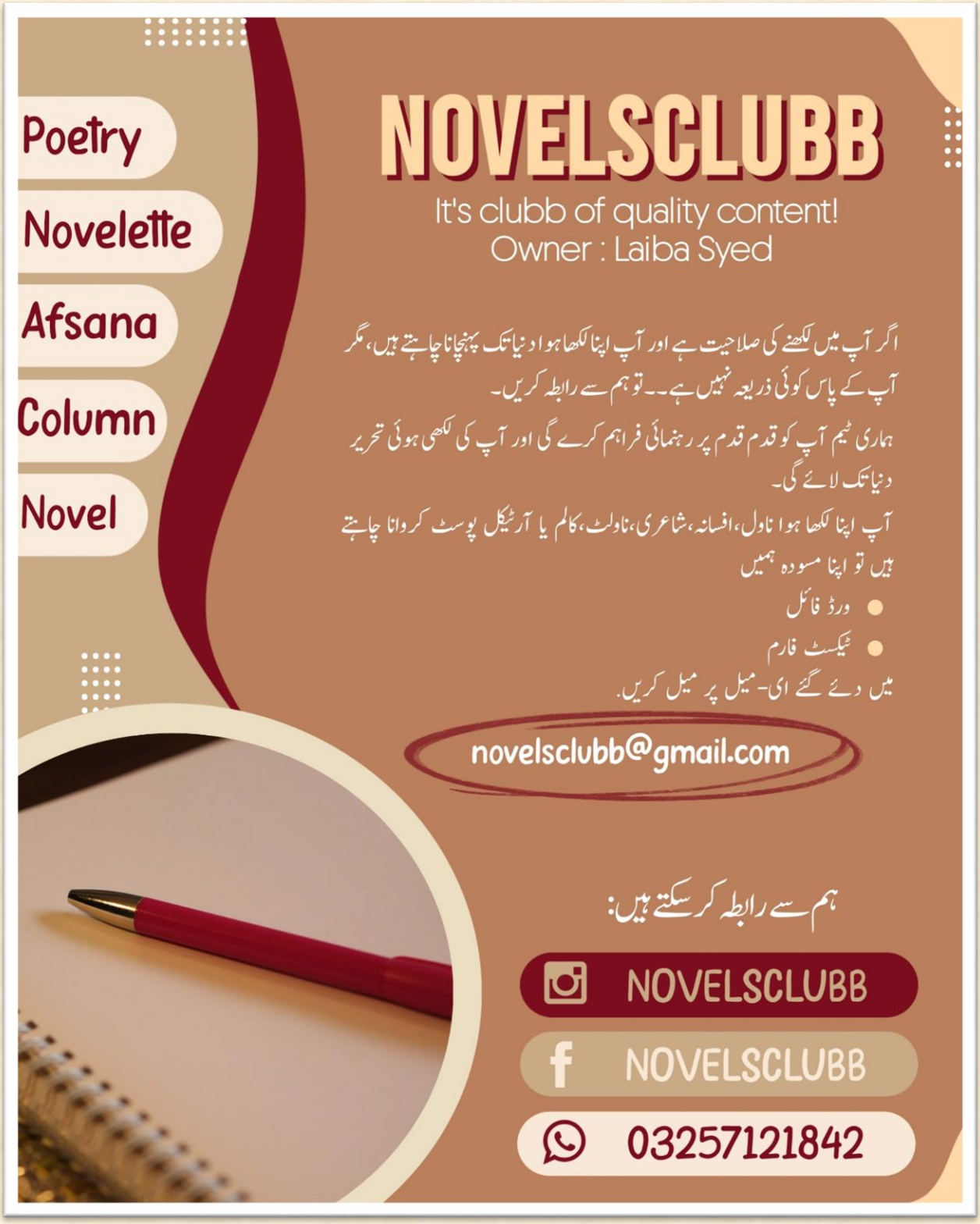
Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel
NOVELSCLUBB
It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔
ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔
آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں
ورڈ فائل
ٹیکسٹ فارم
میں دئے گئے ای-میل پر میل کریں.
novelsclubb@gmail.com
ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں:
NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

تختِ نحس

از قلم

کنیز فاطمہ اصغر

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

تختِ نحس

قسط نمبر: دو

دائرہِ ناتمام

انتساب:

"اُن بچھڑے ہوئے اپنوں کے نام... جن کی ایک جھلک پانے کی خاطر انسان اپنی پوری دنیا داؤ پر لگا دیتا ہے، اور اُن 'بھائیوں' کے نام جن کے لیے لہو کا رشتہ کائنات کے ہر قانون اور وقت کے ہر جبر سے بڑا ہے۔"

Clubb of Quality Content

وقت کے پاؤں میں زنجیر پڑی ہو جیسے
ایک ہی موڑ پہ تاریخ کھڑی ہو جیسے
طلسمی دنیا اپنی لگتی ہو جیسے
اپنی دنیا، اپنی نہ لگتی ہو جیسے...

سفر میں ایک ایسا موڑ آ گیا ہے
جھیل کا سکوت جیسے روح کو کھا گیا ہے
میں ڈھونڈتا تھا جسے، وہ تو مل گیا ہے
لیکن اب ایک مہیب اندھیرا ہر سُو چھا گیا ہے۔

"پچیس اکتوبر دو ہزار تیئیس۔"

رات؛ ایک بجے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ہر سُو سکوت کا عالم تھا۔

ایسا سکوت جس میں نہ جادو کی سرگوشی تھی، نہ طاقت کی دھمک، صرف ایک عجیب سی خاموشی جو ہر شے کو اپنے ساکن دائرے میں قید کیے ہوئے تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وقت خود دم سادھے ایک جگہ ٹھہر گیا ہو۔

وہ اب بھی پانی کی ٹھنڈک کو اپنے وجود میں محسوس کر سکتی تھی۔ گویا کنواں ابھی بھی انہیں اپنی گہرائی میں تھامے ہوئے تھا اور وہ منجمد کرتا آب انہیں جمائے رکھ رہا تھا۔

تاہم، کچھ بدل رہا تھا یا شاید بدل چکا تھا۔ لمحہ بہ لمحہ تاریکی روشنی میں مبدل ہو رہی تھی، یا پھر وہ خوبصورت نیلگوں روشنی تاریکی میں گھلتی جا رہی تھی۔

ہوا میں ہمالیہ کی برفیلی چبھن تھی، اور ساتھ ہی ایک عجیب سی بیگانگی بھی۔ وہ خوشبو جو پرستان کے گلابوں اور صندل کی لکڑی میں رچی بسی تھی، اب مٹی کی سوندھی بو اور جھیل کے ٹھہرے ہوئے پانی کی مہک میں بدل چکی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ ایک طلسمی خواب سے جاگ کر ایک ایسی حقیقت میں آن گرے ہیں جو اب ان کے لیے اجنبی ہو چکی تھی۔

ستاروں کی آنکھ مچولی کہیں دور کھو گئی تھی اور چودھویں کا چاند اپنی جاذب روشنی ہر سمت بکھیر رہا تھا۔ لگتا تھا جیسے سورج ڈھلنے کو ہو اور ہر سو نارنجی رنگ کی دھند چھائی ہوئی ہو، لیکن شاید

نہیں، شاید یہ رنگ نارنجی نہیں تھا، اس کی جگہ کوئی اور روشنی آہستہ آہستہ انہیں گھیر رہی تھی۔

سخت، سفید اور چبھتی ہوئی روشنی، جیسے کوئی تلخ حقیقت خود ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچ رہی ہو۔

کہیں دور سے آتی آواز قریب آنے لگی۔ پہلے مبہم، پھر واضح۔

کوئی پکار رہا تھا، شاید ساتھ ہی اس کا کندھا بھی ہلا رہا تھا، جیسے مسلسل اسے واپس بلا رہا ہو۔

اٹکی ہوئی سانس مدھم انداز میں رواں ہوئی۔ پلکیں بوجھل تھیں اور آنکھیں کھلنے سے انکاری، لیکن دنیا کے تقاضوں کے سامنے بے بس۔

چند لمحوں بعد آنکھوں کے بوجھ پر حقیقت کا زور بھاری پڑ گیا اور حواسِ خمسہ ایک بار پھر کام کرنے لگے۔ وجود پر نمی اب بھی باقی تھی، مگر اب اس میں جادو کی وہ تاثیر نہ تھی۔ وہ نمی حقیقت کی نمی تھی۔

ٹھنڈک تو تھی، لیکن یہ پرستان کی دنیا کی جامد کر دینے والی سردی نہ تھی، زمین کی فضا پرسکون تھی۔

وہ دھڑکن جو جنگوں، سازشوں اور تقدیروں کے فیصلے سننے کی عادی ہو چکی تھی۔اب ایک بالکل مختلف دنیا کے سکوت میں گھری ہوئی تھی۔ یہاں نہ پرندوں کے پروں کی جادوئی تھرتھراہٹ تھی، نہ ہواؤں میں کوئی طلسمی سرگوشی۔

دور کہیں پہاڑوں کی اوٹ سے آتی کسی جنگلی جانور کی پکار یا بہت فاصلے پر جھیل کے کنارے کھڑی کسی جیپ کے انجن کی مدھم سی گڑگڑاہٹ اس خاموشی کو چیر رہی تھی۔نہایت جدوجہد کے بعد بیدار ہوتے دماغ کو جیپ کا وہ مدھم شور ماؤف کر رہا تھا۔

انسانوں کی سانسوں والی عام دنیا۔

"حقیقی دنیا۔"

وہ حقیقت، جس کے بارے میں شاید کبھی انہوں نے سوچا تھا کہ وہ واپس لوٹیں گے، اور جہاں واپسی کا خیال محض ایک خواب بن کر رہ گیا تھا۔

کیا واقعی وہ طلسمی سفر ختم ہو گیا تھا؟ یا پھر وہ سب کچھ دوبارہ، مزید تلخی کے ساتھ لوٹنا تھا؟

اکثر چندپل کا سکون ہمیں سراب میں ڈال دیتا ہے کہ شاید وہ تکلیف اب نہ لوٹے، لیکن کیا کبھی ایسا ممکن ہوا ہے؟

****

اکیس اکتوبر دو ہزار تیئیس۔۔

رات، دس بجے۔

وقت کی دھار نے پلٹا کھایا اور ہمیں اپنے ساتھ لیے اندرونِ لاہور کی اس باذوق حویلی کے باہر لا کھڑا کیا۔ جونہی آپ اس کے باہری دروازے سے اندر قدم رکھیں گے تو سامنے۔۔۔

"بھائی! بھائی! بھائیی!" ہماری مرال سارے گھر کو سر پر اٹھاتی نظر آئے گی۔ اِدھر سے اُدھر پھرتی وہ اپنے بڑے بھائی کو ڈھونڈ رہی تھی، جو نجانے کس بل میں کون سے گدھے گھوڑے بیچ کر جا سویا تھا۔ نہ وہ اپنے کمرے میں تھا، نہ ہی امی بابا کے پاس، حتیٰ کہ وہ تو اپنے پسندیدہ مقام یعنی نیم کے درخت والے احاطے میں بھی نہیں تھا۔

کتھئی آنکھوں میں اب جھنجھلاہٹ جھلک رہی تھی اور ماتھے پر پڑے بل واضح کر رہے تھے کہ اگر چند پل میں اس کا بھائی سامنے نہ آیا تو نا راضگی پکی ہو جائے گی۔

اسی پل،

"کیا ہوا گڑیا؟" داخلی دروازے سے اندر داخل ہوتے ازہمیر نے مرال کو ہال کے وسط میں جلے پیر کی بلی بنے دیکھا تو حیرت سے سوال کیا۔ ساتھ ہی اس نے اپنا بازو مرال کے کندھے کے گرد پھیلایا۔

"وہ۔۔۔میں سوچ رہی تھی کہ کیوں نہ ہم۔۔۔لیکن ٹھہریے ذرا،آپ کدھر سے آرہے ہیں؟وہ بھی اس وقت!"بھائی کو دیکھتے ہی ساری جھنجھلاہٹ کہیں دور جا سوئی،البتہ بہنوں والی تفتیشی افسر بیدار ہو چکی تھی۔

"باہر گیا تھا گڑیا،کچھ دوستوں سے ملنے۔تم بتاؤ کیا کہہ رہی تھی۔"

"بابا کو بتاؤں گی میں کہ اب آپ دیر تک باہر رہنے لگے ہیں!"دھمکی آمیز انداز میں کہا گیا۔

"یہ کیا طریقہ ہے بڑے بھائی کو بلیک میل کرنے کا؟"ازہمیر نے ابرو اچکاتے ہوئے خفا ہونے کی ناکام اداکاری کی۔

"میرا طریقہ ہے!ہاں،اگر آپ میری بات مان لیتے ہیں تو۔۔۔"

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ چھوٹی سی بچی بلیک میلر بن چکی ہے،"ازہمیر نے اس کی ناک دباتے ہوئے کہا۔

"آہ بھائی!یہ نہ کیا کریں،درد ہوتا ہے۔"وہ فوراً اس کا ہاتھ جھٹک کر دو قدم دور ہو گئی۔

"ہاں ہاں،خود پر سب واجب ہے۔اچھا چلو چھوڑو،اب میری ماں بتا بھی دو کہ کیا فرمائش کرنی ہے۔"

"میں نہیں بتا رہی۔۔یہ کیا طریقہ ہے پوچھنے کا!"روٹھے پن سے کہا گیا۔

"اچھا میری گڑیا، میری چھوٹی بہن، براہِ کرم اپنی خواہش عرض کریں۔" ازہمیر کے بس ہاتھ باندھنے کی کسر رہ گئی تھی۔ وہ اس کے التجائی انداز پر کھلکھلا اٹھی۔

"میں نے کل ایک کتاب ختم کی ہے، جھیل سیف الملوک سے متعلق، اور اب میرا وہاں جانے کا دل کر رہا ہے۔ تو..."

"لو! اس موسم میں کون جاتا ہے وہاں۔۔" اب وہ ہال میں ایک ساتھ ٹہلنے لگے تھے۔

"بھائی۔۔ میرا بہت من ہے، پلیز نا! مزید یہ کہ نومبر میں تو راستے بالکل بند ہو جائیں گے، یہی آخری ہفتہ ہے جب ہم جھیل کا نیلا پانی دیکھ سکتے ہیں، ورنہ پھر سب کچھ سفید ہو جائے گا!"

"لیکن میری چند بہت اہم میٹنگز ہیں۔"

"آپ کو کب سے میٹنگز کی فکر ہونے لگی یار؟" وہ حیرت زدہ سی اس کے سامنے ٹھہر گئی۔

ازہمیر کے چہرے پر ایک لمحے کو سایہ سا لہرایا جسے وہ پل بھر میں چھپا گیا۔ لازم نہیں کہ ہمارے اندر آنے والی ہر تبدیلی کی وجہ ہم ہر اپنے کو بتا سکیں۔

یہ لمحے بھر کا کھیل تھا، اور ہشاش بشاش مسکراہٹ واپس چہرے پر ڈیرا جما چکی تھی۔ وہ بہن کے سامنے اداکاری کرنے میں ماہر تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"غزل بھی چلے گی کیونکہ اس کے ہپناٹزم کے کورس کا پہلا سمسٹر مکمل ہو چکا ہے، وہ سمسٹر بریک پر ہے اور ہماری یونیورسٹی بھی ختم ہو چکی ہے۔" بہن نے جیسے اسے لالچ دی۔

"واقعی؟" اب کے ابھرنے والے مسرت کے تاثرات حقیقی تھے۔

"اتنی خوشی۔۔" مرال نے اسے چھیڑا۔

"مرال!" تنبیہہ کرتے ہوئے کہا گیا۔

"اچھا اچھا، نہیں کہتی، نہیں کہتی۔۔ تو پلان کنفرم ہے؟"

"شاید۔" اور وہ دونوں جانتے تھے کہ اس 'شاید' کا مطلب 'ہاں' ہی ہے۔

"میں چلی غزل کو بتانے!" وہ بھاگم بھاگ اوپر کمرے کی طرف گئی۔

پیچھے وہ کھڑا سوچ رہا تھا کہ ماں باپ کو اس سب کے لیے کیسے منائے، تب ہی ذہن میں مرال کا جملہ ایک بار پھر گونجا۔

"آپ کو کب سے میٹنگز کی فکر ہونے لگی؟"

یادیں گڈمڈ ہوئیں اور ذہن اسے کہیں بہت پیچھے لے گیا۔

"شاہریز بھائی! اتنی میٹنگز؟ میں بور ہو جاتا ہوں۔" ڈیڑھ برس قبل از ہمیر شاہریز کے آفس میں کھڑا نہایت بوریت سے کہہ رہا تھا۔ تب اس کے چہرے پر یہ خفیف سی داڑھی اور مونچھیں نہ تھیں، وہ کلین شیور رہنا پسند کرتا تھا۔

"یہ تمہارے لیے ضروری ہیں، زی! اسی طرح تم بہتر طور پر سیکھ سکو گے۔" اُس نے اُس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا تو وہ مزید بدمزہ ہوا۔

"اچھا چلو، یہ آخری ہے۔ اس کے بعد تم چھٹی لے سکتے ہو۔" شاہریز کو شاید اس پر ترس آیا تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ یہی بات ازہمیر کے خراب موڈ کو ٹھیک کر سکتی ہے، اور وہی ہوا۔

"تھینک یو بھائی جان! آپ بہت بہت اچھے ہیں۔" ازہمیر فرطِ جذبات میں بے ساختہ اس کے گلے لگنے کو آگے بڑھا۔ سیاہ فارمل لباس میں ملبوس مرد نے سامنے آتے نوجوان کو ہاتھ اٹھا کر روکا۔ جس پر ازہمیر ہنس دیا۔ اسے معلوم تھا کہ سامنے کھڑا شخص ایسے موقعوں سے دور بھاگتا ہے۔

"بھائی! مجھے غزل کے گھر جانا ہے۔" اپنے کمرے سے آتی مرال کی آواز پر وہ یادوں کے سمندر سے باہر آیا۔

"اوکے، تیار ہو جاؤ!" اس نے وہیں کھڑے بلند آواز میں کہا۔ جواب دے کر وہ خاموش ہوا تو ذہن میں ایک سوال گونجا۔

"آہ بھائی! کہاں ہیں آپ۔۔ کب آئیں گے۔۔ اتنا نہ آزمائیں۔۔" چہرے پر زمانوں کی تھکن اتری۔ اب، اس کے قدم اپنے والدین کے کمرے کی سمت تھے۔

****

بائیس اکتوبر دو ہزار تیئیس۔

لاہور کی رونق کو وہیں چھوڑ کر، اب ہم ذرا چلتے ہیں سمندر کی دہلیز پر بسے شہر یعنی کراچی!

ایک خوبصورت سے گھر میں ناشتے کی میز سجی تھی۔ گھر کے تقریباً تمام افراد موجود تھے، تاہم کھانا ابھی تک شروع نہیں ہوا تھا کیونکہ خاندان کا ایک اہم فرد اب تک میز سے غائب تھا۔

اور وہ کون ہو سکتا ہے؟

"زنیر! تم آ رہے ہو یا اب میں وہاں آؤں؟" حمدان ابراہیم کی آواز میں تنبیہ تھی۔

تبھی ایک کمرے سے وہ برق رفتاری سے باہر آیا۔ جناب کا حلیہ اب تک وہی تھا جس میں وہ جاگنگ سے لوٹے تھے۔

"آ گیا نا بابا! آپ تو تشدد پر ہی اتر آتے ہیں۔ کچھ تو خیال کریں، اب میں بڑا ہو گیا ہوں۔" کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے اس نے عاجزی جتانے کی ناکام کوشش کی۔

"اپنا خیال تو رکھا نہیں جاتا، بڑے ہو گئے ہیں!" آخر میں اس کی والدہ نے گویا بیٹے کی نقل اتاری۔

"امی آپ بھی؟ یہ تو زیادتی ہے یار!" سرمئی آنکھوں میں خفگی اتر آئی۔

"اچھا، بس اب کھانا شروع کرو۔" باپ کے سخت لہجے پر وہ منہ بسور کر ناشتہ کرنے لگا۔

مرجان نے اس کے تاثرات پر ہنسی ضبط کی۔

زنیر کی نظر اس پر پڑی تو اس نے فوراً نظریں کھانے کی طرف پھیر لیں۔

"پراسیکیوٹر صاحبہ! تو کل آپ ناران چل رہی ہیں، کنفرم ہے نا؟"

"کس لیے؟" مرجان سے پہلے زنیر کے والد بول اٹھے۔

"بابا! میں نے نیوز کے لیے معلومات جمع کرنی ہیں، اور مرجان کا بھی ایک نیا کیس ہے، اس سے متعلق بھی کچھ معلومات درکار تھیں۔"

"تو تم خود جا کر ہو آؤ، اسے کیوں لے جا رہے ہو؟" ایلیشیا کے ساتھ ہونے والے واقعے کے باعث وہ مرجان کے معاملے میں خاصے محتاط رہتے تھے۔

"باباجان! میں بھی نہ جاتی اگر میرا جانا واقعی ضروری نہ ہوتا۔" مرجان نے نرم مگر پُرمتانت لہجے میں کہا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"لیکن بیٹا..." وہ کچھ بولنا چاہتے تھے کہ،

"مجھ پر بھروسہ کریں بابا! میں ہوں نا خیال رکھنے کو،" زنیر نے انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

"یہی تو ڈر ہے۔" وہ بڑبڑائے تو بیٹے نے حیرت سے اپنے باپ کو دیکھا۔

"نہیں! آج آپ صاف کہہ ہی دیں کہ میں سوتیلا ہوں۔" اس نے میز سے ہاتھ اٹھا لیے۔ جس پر سب ناشتہ کرتے کھلکھلا اٹھے۔

"اچھا بچے، چلے جانا اور اپنا خیال رکھنا۔" ناشتہ کرنے کے بعد حمدان نے مرجان کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا اور پارک جانے کو اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کی زوجہ بھی ان کے ساتھ تھیں۔

"بائیک پر چلیں گے!" ٹیبل سے اٹھ کر جاتے ہوئے زنیر نے واپس پلٹ کر ہاتھ میز پر دھرے اور عام سے لہجے میں اطلاع دی۔

"آر یو میڈ؟ تمہیں اندازہ ہے راستہ..."

"ہاں مجھے اندازہ ہے، لیکن آپ کو بائیک چلانا میں نے سکھائی ہے، اتنا تو آنا چاہیے آپ کو...." اور یہ لگی بات مرجان کی انا پر!

"مجھے تم سے بہتر آتی ہے، اینڈ مائنڈ یو! تم نے مجھے صرف چند ٹپس دی تھیں، بس۔"

"ہاں ہاں، جو بھی تھا۔ اندازہ ہو جائے گا راستے میں۔" اس نے لاپرواہی سے بات ٹال دی۔

"تم..."

"اچھا وکیل صاحبہ! اپنے جرنلسٹ کو اجازت دیں، اور براہِ کرم چیزیں اٹھا کر دے مارنا چھوڑ دیں۔"

"اگر تم ساٹھ سیکنڈ میں نہ گئے تو میں یہ پلیٹ اٹھا کر واقعی تمہارے سر پر دے ماروں گی!" برتن سمیٹتی مرجان نے سختی سے کہا تو وہ اگلے ہی لمحے وہاں سے غائب تھا

****

لاہور اور کراچی کی اس چہل پہل اور اپنائیت بھری زندگی کو وہیں چھوڑ کر، اب ذرا ہم اُس دنیا کی دہلیز پر قدم رکھتے ہیں جہاں وقت کی نبض اب تک تھمی ہوئی ہے۔

وہی تختِ نحس، اسی عہدِ سیہ کا اثر اور وہی بوجھل فضا!

جہاں وہ سیاہ دن ان تینوں (محافظہ، ملکہ اور مؤرخہ) کے وجود میں کسی دھیمے زہر کی طرح اتر رہا ہے۔ وہ زہر جو خاموشی سے جسم کی رگ وپے میں سرایت کر جائے، جو یادوں کو منجمد کر دے اور روح کو کھرچ کر رکھ دے۔ وہاں کی فضا میں آپ کو دل بوجھل کر دینے والی نمی محسوس ہو گی؛ ایسا لگتا تھا جیسے ہر گزرتا پل کسی بددعا کی طرح ان کے شعور میں لہو بن کر دوڑ رہا ہو۔

فضا میں ابھی موت کی بو باقی تھی، تاہم قیصرہ خاتون کو ملکہ کے ماتھے پر فتح کا ایک زہریلا نور رقص کرتا نظر آ رہا تھا۔ ملکہ کے چہرے پر ایک عجیب سا وحشت ناک سکون تھا۔

قیصرہ خاتون اپنی نشست سے اٹھیں اور ملکہ کے قریب آ کھڑی ہوئیں۔ ملکہ نے مؤرخہ کی طرف نظر دوڑائی، اس نے اپنی ساتھی کا چہرہ ہر قسم کے جذبے سے عاری پایا۔

قیصرہ کی نظریں عوام پر ٹکی تھیں۔

"جیسا کہ آپ سب نے دیکھا، ہماری ملکہ نے وہی کیا جو ہماری فلاح کے لیے ناگزیر تھا اور یوں، انہوں نے ہم سے اپنی وفاداری کا نہ صرف ثبوت دیا ہے بلکہ میں سمجھتی ہوں کہ آئندہ کے لیے ہمارا بھروسہ بھی پالیا ہے۔"

رعب دار انداز میں بات ختم کر کے وہ عوام کو بولنے کا موقع دینے کو رکیں۔

"بے شک!"

"بالکل!"

"ہماری ملکہ زندہ باد!"

"آپ ہمیشہ ہم پر یونہی حاکم رہیں۔" جیسے نعرے گونجنے لگے تو ملکہ کے تناؤ زدہ ہوتے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ ابھری۔

مؤرخہ اب ذرا ملکہ کے پیچھے آ کر کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرایا۔

قیصرہ خاتون نے ہاتھ اٹھا کر عوام کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور مزید گویا ہوئیں،

"اب چونکہ اس شہر سے بد قسمتی کا سایہ اٹھ چکا ہے، ہم آپ سب کو یہ یقین دلانا چاہتے ہیں کہ ہم شاہی محل کے افراد پہلے بھی آپ کی حفاظت کے لیے آپ کے ساتھ تھے اور آگے بھی، خدانہ کرے کچھ ہوا، تب بھی آپ کے ساتھ ہوں گے۔" انہوں نے وقفہ لیا۔ عوام میں تشکر کے کلمات گونجنے لگے۔

یکدم ملکہ نے کنویں کی جانب قدم بڑھائے۔ میدان میں گہرا سکوت چھا گیا۔اس نے کنویں کے دہانے پر قدم رکھا اور نیچے جھانکے بغیر پیچھے مڑی۔

"آج تخت نے ثابت کر دیا کہ وہ کسی مصلحت کو خاطر میں نہیں لاتا۔"اس کی آواز میدان میں گونجی۔"شہزادے کا زوال ان کی اپنی لغزش تھی، مگر تخت کا وقار برقرار ہے اور رہے گا!"

اس کے چہرے پر ہونٹوں نے یوں مسکراہٹ بکھیری جیسے کسی نے لہو سے گلاب سینچے ہوں۔

"سوگ کی گنجائش صرف کمزوروں کے لیے ہوتی ہے۔"اس کی آواز برفیلے جھونکے کی طرح میدان میں موجود ہر نفس کی رگوں میں اترتی گئی۔

"آج سے یہ کنواں ایک بھولی ہوئی یاد ہے۔جائیں! محل کی ہر فصیل پر چراغ جلاتے جائیں، کہ آج تخت نے اپنی بقا کا جشن اپنے ہی خون کے چراغ سے منانے کا فیصلہ کیا ہے۔"

"جائیں،اور آج رات کے جشن کی تیاری کریں۔"ملکہ کہہ کر خاموش ہوئی۔پرستان کے لوگ تشکر کے کلمات ادا کرتے اور ملکہ کے حق میں نعرے لگاتے رخصت ہونے کو تیار ہونے لگے۔مؤرخہ کے چہرے پر ایک استہزائیہ مسکراہٹ ابھری۔

سپاہیوں نے ملکہ، مؤرخہ اور قیصرہ خاتون کی گھوڑوں پر سوار ہونے میں مدد کی۔اس مختصر قافلے کے جانے کے بعد میدان خالی ہو گیا۔

اگر آپ اس سنسان میدان کے وسط میں موجود کنویں میں جھانکیں، تو آپ کو پانی میں ایک روشنی ٹمٹماتی نظر آئے گی، جیسے وہ اپنے اندر کوئی راز چھپائے ہوئے ہو۔

جیسے وہ آب کہہ رہا ہو کہ یادیں مرتی نہیں، صرف تہہ میں بیٹھ جاتی ہیں۔

جیسے تخت نے خاموشی کو بھی قید کر لیا ہو، اور وہ خاموشی کسی بولتی گواہی کی منتظر ہو....

****

منظر ہے اسی جابر کال کوٹھری کا؛ ایک جیل نما کمرے میں وہ زمین پر رکھے سخت سے گدے پر، دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔

میدانِ کنواں کی مٹی ابھی خشک نہیں ہوئی تھی، تاہم محافظہ کے قدموں تلے بستی دنیا کب کی بنجر ہو چکی تھی۔ وہ ہاتھ جو کبھی عقاب کی مانند تلوار پر جھپٹتے تھے، اب لرزتے ہوئے سجدوں میں گرے تھے۔ زنجیروں کے آہنی لمس نے جب اس کی کلائیوں کو چھوا، تو اسے لگا جیسے وہ دھات نہیں بلکہ اس کے اپنے ٹوٹے ہوئے عہد کے ٹکڑے ہیں جو اسے زخم زخم کر رہے ہوں۔

اس نے ایک بار پھر اس ساکت پانی کو اپنے ذہن کے پردے پر ابھرتے دیکھا جہاں وہ دونوں ڈوب چکے تھے۔ اس کے چہرے سے یوں لگتا تھا جیسے کوئی جنازہ اپنی ہی قبر کی تلاش میں نکل کھڑا ہو۔

سر کی پشت دیوار سے لگائے وہ انہی یادوں میں محو تھی کہ کسی کے قدموں کی آہٹ نے اس کی سوچوں کا تسلسل توڑا۔ گردن موڑی تو سامنے ملکہ کھڑی تھی۔

"آپ کو وہ سب نہیں کرنا چاہیے تھا۔آپ کو اندازہ ہے کہ اس عمل سے آپ سب کی نظروں میں کتنی مشکوک بن چکی ہیں؟" ملکہ کے لہجے میں ترحم بھری نرمی تھی۔

"میری ہمدرد بننے کی کوشش مت کریں! یہاں سے جائیں، مجھے آپ سے بات نہیں کرنی۔"

اس نے ملکہ سے نظریں ہٹا کر دائیں دیوار کے اوپری حصے پر بنی چھوٹی سی کھڑکی کو دیکھا، جو اس کمرے کو منور رکھنے کا واحد ذریعہ تھی۔سیاہ ہوتی گہری بھوری آنکھیں خطرناک حد تک سرخ تھیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"ہمدرد؟ ہم دوست رہے ہیں۔"

"بالکل، رہے ہیں!" محافظہ نے 'رہے ہیں' پر زور دیا۔ ملکہ اسے حیرت سے دیکھ کر رہ گئی۔

"میں وہ سب نہیں کرنا چاہتی تھی، لیکن۔۔۔" کال کوٹھری کے در و دیوار نے اپنی ملکہ کو وضاحت دیتے ہوئے سنا۔

محافظہ نے نہ اس کی طرف دیکھا، نہ کچھ کہنے کی سعی کی۔یوں لگتا تھا جیسے اسے ملکہ میں سرے سے کوئی دلچسپی ہے ہی نہیں۔

"لیکن ہمیں یہ کرنا پڑا کیونکہ یہ ناگزیر تھا... کاش ہم آپ کو سمجھا سکیں۔" اس کی حاکم اب تک بول رہی تھی۔

"آپ نے جتنا سمجھانا تھا، سمجھا چکی ہیں۔ اب آپ جا سکتی ہیں۔" محافظہ نے ہاتھ کو مٹھی کی صورت بھینچتے ہوئے کہا۔ کہنے کو بہت کچھ تھا، البتہ وہ ہر حرف اپنے اندر دفن کر گئی۔

"محافظہ! ہم آپ کو آزاد...."

قیدی نے نظریں اس پر گاڑ دیں۔ ملکہ کو ایک پل کے لیے اس سے خوف محسوس ہوا۔

"آپ کے باعث ملی آزادی سے موت بہتر ہے! اب آپ جا سکتی ہیں۔" کاٹ دار لہجے میں کہہ کر، زنجیروں میں جکڑے ہاتھ سے جانے کا اشارہ کرتے ہوئے وہ دوسری جانب دیکھنے لگی۔ زنجیروں کی جنبش سے خاموش ماحول میں ایک ناخوشگوار ارتعاش پیدا ہوا۔

اس کی بات سن کر ملکہ نے ہونٹ بھینچتے ہوئے اسے دیکھا۔ وہ چند ساعتیں آنکھوں میں اذیت لیے اسے دیکھتی رہی، لیکن محافظہ کی آنکھوں میں بے اعتنائی کے سوا کچھ نہ تھا۔

ملکہ دبے قدموں پلٹ گئی۔ محافظہ نے ایک مرتبہ پھر دیوار سے سر ٹکا لیا اور آنکھیں بند کیں تو ایک قطرہ گال پر نشان چھوڑتا ہوا زمین میں جذب ہو گیا۔

یادوں کے چنگل سے ایک اور یاد نکل کر اس کے ذہن کا احاطہ کرنے لگی۔

سزا سے پہلے کی رات، جب وہ اپنی آرام گاہ میں آئی تھی۔اس نے دروازہ بند کر کے بے صبری سے وہ خط کھولا تھا۔

میری محافظہ!

"آپ جب یہ پڑھیں گی تب شاید آپ کے ذہن میں بہت سے خدشات ہوں۔میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میں لوٹ آؤں گی۔کچھ ایسا مت کیجیے گا جو آپ کے لیے مشکل کا باعث بنے۔میں یقین دہانی کرواتی ہوں کہ میں لوٹ آؤں گی۔کنواں موت نہیں، کنواں نجات ہے۔یاد رکھیں اور اپنا خیال رکھیں۔۔۔"

آپ کی مقرب،

غائبہ۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

وہاں نہ کسی مدت کا تعین تھا اور نہ ہی کوئی وضاحت۔اب اسے انتظار کرنا تھا۔اس کے دل کو کرچی کرچی کرتا انتظار۔

****

شیش محل کے خوبصورت در و دیوار، فکر و ترحم کے ساتھ اپنے پلنگ سے لگ کر فرش پر بیٹھی اس معصوم لڑکی کی گھٹی گھٹی سسکیاں سن رہے تھے۔دیواروں پر نفیس شیشے کا کام اس بکھرے ہوئے عکس کو دیکھ کر جیسے افسوس میں ڈوبا ہوا تھا۔

بالآخر سسکیاں تھم گئیں۔وہ گھٹنوں پر چہرہ ٹکائے کبھی اپنے ہاتھوں کے ناخنوں کو آپس میں کھرچتی،تو کبھی یونہی خالی نظروں سے سامنے دیکھنے لگتی۔اس لمحے اس کا ذہن کٹھن ترین اندیشوں کو جنم دے رہا تھا،اور وہی اندیشے اسے یوں رلا رہے تھے کہ سانس لینا بھی محال ہونے لگتا۔

تبھی،کمرے کا دروازہ کھلا اور ملکہ نہایت استحقاق سے اندر داخل ہوئی۔فرش پر بیٹھی اپنی ساتھی کو دیکھتے ہی وہ لپک کر اس کے قریب آئی۔کندھوں سے تھام کر اسے اٹھایا اور پلنگ پر بٹھایا۔وہ باہر خادمہ کو آواز دینے ہی والی تھی کہ پھر دل میں خدشہ جاگا۔کہیں ان روئی روئی آنکھوں کو دیکھ کر لوگ اسے اپنا دشمن نہ گردان بیٹھیں۔

ملکہ نے خود ہی جگ سے پانی گلاس میں انڈیل کر اس کی طرف بڑھایا۔مگر،نم آنکھوں والی لڑکی نے وہ گلاس لے کر دوسری طرف رکھ دیا۔ملکہ خاموش رہی،اسے اسی ردعمل کی توقع تھی۔تاہم،یہ انداز اب اسے تکلیف دے رہا تھا۔

"آپ۔۔۔"ملکہ نے کچھ کہنا چاہا۔

"کچھ نہ کہیں۔"نم لہجہ سخت ہونے کے باوجود آج پہلی بار کانپا نہ تھا۔

"مؤرخہ!آپ بھی۔۔"ملکہ نے شکست خوردہ انداز میں کہا۔جواباً خاموشی ملی اور ملکہ کو اپنا جواب مل گیا۔وہ تلخی سے مسکرائی۔

کافی دیر تک دونوں میں سے کوئی کچھ نہ بولا۔ مؤرخہ کے اندر غم و غصہ بڑھنے لگا، جبکہ ملکہ اس کے چہرے کو جانچنے لگی تاکہ اس کے ذہن کی تحریر پڑھ سکے۔

اس نے اپنی واحد دوست کا ہاتھ تھامنا چاہا۔ لیکن، ہاتھ فوراً کھینچ لیا گیا۔ خاموش، قطعی انکار۔

ملکہ نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبائے کھڑی ہوئی اور کمرے سے باہر جانے لگی۔ دروازے پر رک کر وہ مڑے بغیر بولی

"یہ دنیا ایک سراب ہے۔۔۔ سراب! ممکن ہے جو حقیقی لگ رہا ہو، وہ حقیقت نہ ہو۔ اپنی آنکھوں کو راحت دیں۔ بہتر ہے سو جائیں۔ رات کے وقت جشن۔۔۔"

"سراب کی بات کم از کم آپ نہ کریں، ملکہ! معذرت خواہ ہوں، میں شاید جشن میں نہ آ سکوں۔" شروعات میں سادہ، مگر اختتام میں لہجہ کاٹ دار اور آواز عاجز تھی۔

"نہ آئیں، تو یہ لوگ آپ کو بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ ہم اپنی واحد ساتھی کو کھونا نہیں چاہتے۔"

بے تاثر لہجے میں کہہ کر ملکہ وہاں سے چلی گئی۔ دروازہ باہر سے بند ہوتے ہی مؤرخہ نے پلنگ پر پڑے تکیے میں چہرہ چھپا لیا اور چیخ اٹھی۔ تکیے نے آواز نگل لی۔ غم، غصہ، جھنجھلاہٹ، بے بسی، تکلیف اور اذیت؛ کیا کچھ ان گھٹی گھٹی چیخوں میں موجود نہ تھا۔

****

اس بوجھل کمرے کے منظر کو اسی طلسماتی دنیا میں چھوڑ کر،

ہم واپس لوٹتے ہیں۔اپنی حقیقی دنیا میں۔

پچیس اکتوبر دو ہزار تیئیس۔

چودھویں کا چاند آسمان کے ماتھے پر کسی چاندی کے تھال کی طرح سجا تھا،تاہم اس کی روشنی میں وہ تپش نہیں تھی جو پرستان کے افق پر ہوتی ہے۔ جھیل کا نیلاہٹ مائل پانی اب ایک گہرے،پراسرار سیاہ آئینے میں بدل چکا تھا جس میں پہاڑوں کے سائے کسی دیو قامت ہیولے کی طرح قید تھے۔

غائبہ نے آہستہ سے آنکھیں کھولیں اور اپنی ہتھیلیاں زمین پر ٹکائیں،توریت کے ٹھنڈے ذرات اور نوکیلے پتھروں نے اس کی جلد میں چبھن کا احساس پیدا کیا۔یہ چبھن،زمین کی یہ 'مٹی' اسے بتا رہی تھی کہ وہ واپس آچکی ہے۔اس نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔

آسمان اب وہ گہرا نیلا(Azure) نہیں رہا تھا جس پر پرستان کے ستارے رقص کرتے تھے۔اب وہ ایک بے انتہا 'سیاہ چادر' کی مانند تھا جس پر چودھویں کا چاند بظاہر ساکت تھا،تاہم اس کی ٹھنڈی دودھیا روشنی پہاڑوں کی ڈھلوانوں پر رقص کر رہی تھی۔کچھ رقص کر تھک گئی تو کسی سفید کفن کی طرح بچھتی چلی گئی۔

ہوا کا ایک تیز اور یخ بستہ جھونکا جھیل کے پانی کو چھوتا ہوا اس کے چہرے سے ٹکرایا۔اس ہوا میں 'کائی' اور 'گیلی مٹی' کی وہ مخصوص بو تھی جو صرف ہمالیہ کی راتوں کا خاصہ ہے۔اسے اپنے کانوں میں ایک عجیب سی سائیں سائیں محسوس ہوئی۔وہ سناٹا جو تب محسوس ہوتا ہے جب آپ کسی بہت شور والی جگہ سے اچانک ایک ویران کمرے میں آجائیں۔ایسا لگتا تھا کہ پرستان کی آوازیں اس کے اندر ایک خلا چھوڑ گئی تھیں۔

اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ پھیپھڑوں میں اترتی ہوا کسی ٹھنڈی آری کی طرح چبھی۔یہ درد اسے دل کے کسی کونے میں اچھا لگا کیونکہ یہ اسے زندہ ہونے کا احساس دلا رہا تھا۔

قریب ہی شہزادہ گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔اس کے اٹھ کر بیٹھنے پر سیاہ آنکھوں میں ایک سوال ابھرا کہ کیا وہ ٹھیک ہے؟

ہیزل آنکھوں والی لڑکی کی گردن بے ساختہ اثبات میں ہل گئی۔وہ دم گھٹنا،وہ ٹھنڈک،وہ خوف۔۔۔یک دم جیسے کوئی افسانوی حصہ لگنے لگا۔

شہزادہ اٹھ کھڑا ہوا اور لباس سے گرد جھاڑی۔

"تو بتائیں محترمہ! آگے کا کیا ارادہ ہے آپ کا؟"

اس کی سنجیدہ آواز خاموش وادی میں گونجی۔وہ اسے غائب دماغی سے دیکھتی رہ گئی۔

"میرا؟"

"ہاں، آپ کا۔ کیا آپ نے کتاب میں مزید کچھ پڑھا تھا؟"

شہزادے کے کہنے پر افسانوی دنیا کا حصہ لگتی وہ یادیں پوری شدت سے اس کے وجود میں اترنے لگیں۔ وقت کی لہر کو اگر ہم سزا کے دن سے ایک ماہ پیچھے لے کر جائیں، تو شہزادہ نور جہاں خاتون کے گھر کے باہر کھڑا دستک دیتا نظر آتا ہے۔

"آجاؤ۔"

اندر سے نور جہاں خاتون کی آواز ابھری۔ وہ دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوا۔

غائبہ کے مطابق یہ گھر اسے پر سکون کرتا تھا، البتہ شہزادے کو یہاں کوئی خاص سکون محسوس نہ ہوا۔ مزید یہ کہ اسے بنفشی رنگ ذرا پسند نہ آیا۔

"وہ اندر ہے۔"

شہزادے کو سوچ میں گم دیکھ کر انہوں نے اطلاع دی، تو وہ خفت سے بالوں میں ہاتھ پھیرتا دائیں جانب بنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

اندر بھی بنفشی روغن دیکھ کر اسے کوفت ہوئی۔ سوائے شیشم کی لکڑی کے بنے ایک بک شیلف کے، یہاں سامان نہ ہونے کے برابر تھا۔ شیلف کے کناروں پر نفیس سا مدھم سنہری کام کیا گیا تھا۔ فرش پر بچھے نرم مخملی قالین پر غائبہ ایک کتاب کھولے بیٹھی تھی۔

"کچھ معلوم ہو سکا؟" اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے شہزادے نے دریافت کیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

لڑکی نے وہ کتاب اس کی طرف بڑھادی۔ کتاب پر کچھ یوں لکھا تھا۔

"کنواں ہے ایک بھرم،
دو دنیاؤں کا ہے وہ سنگم،
جو ڈوبو تم تو پاؤ ایک دنیا
انوکھی، اندِکھی، ان سُنی۔

ایک دنیا جو ایک سراب ہے،
ایک دنیا جو ایک خواب ہے،
جو ڈوبو تم، پاؤ ایک دنیا
بشرط کہ تم ڈوبو اپنے من سے۔"

شہزادے نے گھمبیر لہجے میں یہ پڑھتے ہوئے غائبہ کو دیکھا، جو نہایت سنجیدگی سے اس کے چہرے پر ردعمل تلاش کر رہی تھی۔ وہ گہری نظروں سے اس کے تاثرات کا جائزہ لیتا مدھم سا مسکرایا۔ تاہم، غائبہ متوقع ردعمل نہ ملنے پر جی بھر کر بدمزہ ہوئی۔ شہزادہ سنجیدہ ہونے کے بجائے ہنس پڑا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"آپ کو اس پر یقین ہے؟" اسے حیرت ہوئی۔

"کیا نہیں ہونا چاہیے؟" اس کا لہجہ ساکن رہا۔

"ہم نے آپ کو اتنا سادہ لوح تصور نہیں کیا تھا، لیکن خیر! ہمیں اس پر رتی بھر بھی یقین نہیں۔"

"ہمارے پاس کوئی دوسرا راستہ بھی تو نہیں۔" اس کے سادہ جواب پر شہزادے کو سنجیدہ ہونا پڑا۔

"فرض کریں ہم۔۔۔یعنی آپ وہاں پہنچ بھی جائیں۔ پھر بھی، یہاں یہ نہیں لکھا کہ وہ ہماری ہی دنیا ہو گی۔ اور فرض کریں اگر ہو بھی، تو وقت کا کیا؟"

وہ ایک لمحے کو رکا، پھر بولا، "آپ کو اندازہ ہے ہمیں یہاں کتنا وقت گزر چکا ہے؟ نجانے ہمارے گھر والوں کے لیے ہم زندہ بھی ہیں یا نہیں۔ نجانے انہیں ہماری ضرورت ہے بھی یا نہیں۔" کہہ کر وہ ایک گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

"کتاب میں درج ہے کہ پرستان میں آنے پر اصل دنیا کا وقت رک جائے گا۔ مزید یہ کہ اس کے سوا کوئی اور راستہ نہیں شہزادے! یہاں کم از کم میرے لیے صرف اور صرف موت ہی مقدر ہے۔"

غائبہ کے جواب پر اس نے ہونٹ بھینچے۔

"آپ بضد ہیں؟" شہزادے نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

لڑکی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"مزید پڑھیں۔۔۔"

اس نے شہزادے کے ہاتھ میں موجود کتاب کا اگلا ورق پلٹا اور کہا، مگر اس بار اشعار مکمل نہیں تھے۔

مٹے مٹے لفظ اور نامکمل سطریں،

جیسے لکھاری نے دانستہ آگے لکھنے سے انکار کر دیا ہو۔

شہزادہ چند لمحے صفحہ دیکھتا رہا، پھر بولا، "یہ تو ادھورا ہے۔"

"نہیں! ابھی تو میں نے پڑھا تھا۔" وہ الجھ گئی۔ اس نے الجھی نظریں کتاب کے سرورق سے ہٹا کر شہزادے پر جمائیں۔

"محترمہ! یہ واقعی ادھورا ہے۔"

اب کی بار غائبہ نے اس کے ہاتھ سے کتاب لی۔ الفاظ مدھم اور مٹے مٹے سے تھے۔ وہ حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ہوئی۔

"یہ۔۔۔ یہ کیسے؟"

"اب۔۔۔ اب ہم کیا۔۔۔"

"اس لیے کہ یہ کتاب صرف تب ہی پڑھی جا سکتی ہے جب وہ خود کو پڑھوانا چاہے۔"

نور جہاں خاتون کسی کتاب کی تلاش میں کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔غائبہ کے چہرے پر پھیلی حیرت دیکھ کر بولیں،

"آگے کے الفاظ عزت مآب نہیں دیکھ پائے، کیونکہ یہ کتاب اس وقت آپ سے کچھ کہنا نہیں چاہتی۔اور چونکہ اس وقت آپ دونوں ساتھ ہیں،اسی باعث آپ بھی نہیں پڑھ پا رہی ہیں۔"

وہ مطلوبہ کتاب اٹھا کر باہر جانے لگیں۔پھر چوکھٹ پر رک کر ان کی طرف پلٹیں۔

"اور نہیں! میں آپ دونوں کی کوئی مدد نہیں کر سکتی کیونکہ یہ کتاب آج تک میں خود بھی مکمل نہیں پڑھ سکی۔"

Clubb of Quality Content

ان کے جاتے ہی کمرے میں خاموشی اتر آئی۔چند ساعتوں بعد شہزادے کی بھاری آواز نے سکوت کو توڑا۔

"اور اگر ہم ڈوب گئے تو؟" وہ "ہم" پر زور دے رہا تھا۔غائبہ نے اس "ہم" کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا،

"تو پھر، محترم۔۔۔میں وہی رہ جاؤں گی جہاں وہ کنواں مجھے لے جائے گا۔آپ یہاں سے کوئی واپسی کا راستہ ڈھونڈ لیجیے گا۔"

"محترمہ! ہم ساتھ آئے تھے اور ساتھ ہی جائیں گے۔" شہزادے نے مستحکم انداز میں کہتے ہوئے کتاب بند کر دی۔

"غائبہ!"

شہزادے کی پکار پر وہ ماضی کی ان بنفشی دیواروں اور کتاب کے مٹتے لفظوں سے باہر آئی۔

"مجھے یاد نہیں۔" اسے اپنی آواز کسی کھائی سے آتی محسوس ہوئی۔

"کچھ دیر رک جاتے ہیں، پھر آپ ذرا مزید سوچ کر دیکھیے گا۔ ہو سکتا ہے اس دنیاؤں کے سفر نے آپ کے حواس معطل کر دیے ہوں۔"

"مجھے واقعی کچھ یاد نہیں۔ ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے کسی نے میرے اندر سے وہ خاکہ ہی مٹا دیا ہو جہاں کتاب کی یادیں ٹھہری تھیں۔"

اس کی آواز میں وہ بے بسی تھی جو لفظوں سے پہلے سنائی دے جاتی ہے۔

اس نے گردن گھما کر شدید ذہنی کرب سے فاصلے پر نظر آتی جھیل کے تاریک پھیلاؤ کو دیکھا۔ اسے ایک بار پھر وہ آواز سنائی دی۔ انجن کی مدھم سی گڑگڑاہٹ، جو قریب آتی جا رہی تھی مگر اب بھی خاصی دور لگتی تھی۔

شہزادے نے اس کے چہرے پر پھیلی اذیت کو دیکھا اور خاموشی سے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا، جیسے وہ اپنی موجودگی سے اسے یہ یقین دلانا چاہتا ہو کہ وہ اس خلا میں تنہا نہیں ہے۔

****

اکیس اکتوبر دو ہزار تیئیس۔

رات، گیارہ بجے۔

غزل کے کمرے سے مدھم آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ اگر آپ اندر جا کر دیکھیں، تو مرال اس وقت اپنی بہترین دوست کے سامنے بیٹھی اسے اس سفر کے لیے منانے کی کوشش کرتی نظر آئے گی۔ رات کے پہلے پہر، کمرے کو بلب کی مصنوعی روشنی نے منور کر رکھا تھا۔

"پلیز، پلیز، پلیز..." مرال نے اس کے ہاتھ تھام کر التجا کی۔ "دیکھو، اس ماہ میری سالگرہ بھی ہے، پلیز مان جاؤ۔"

"مرال! اتنا دور جانا پڑے گا۔ پھر میرا دوسرا سیمسٹر.." غزل نے مفاہمت بھرے لہجے میں عذر پیش کیا۔

"مگر تمہارا سیمسٹر شروع ہونے سے پہلے ہم آجائیں گے؛ آخر کیوں نہیں چل سکتے ہم؟"

"اصل میں امی..."

"میں جانتی ہوں۔" مرال نے فوراً اس کی بات کاٹ دی۔ "تم ازہمیر بھائی کی وجہ سے کترا رہی ہو۔"

"ارے نہیں! ایسا کچھ نہیں ہے۔ تم نے ہی تو کہا کہ فیملی ٹرپ ہو گی۔ اتنا بھی کوئی توپ نہیں تمہارا بھائی کہ میں اس سے گھبرا جاؤں۔"

"اوہ! ایسا ہے کیا۔ لیکن مجھے تو..." مرال کچھ کہنے ہی والی تھی کہ،

"تم وہاں کیوں جانا چاہتی ہو؟"

اب کی بار غزل نے اس کی بات کاٹ دی۔ مقصد مرال کا ذہن ازہمیر اور اپنی طرف سے ہٹانا تھا اور ویسا ہی ہوا۔

"وہاں پریاں اترتی ہیں۔۔۔"

"بچوں کی سی باتیں۔۔"

"ارے، سچ میں۔۔۔"

"فینٹسی کو حقیقت سے دور رکھو مرال! تمہیں زندگی گزارنے میں آسانی رہے گی۔"

"لیکن۔۔۔ اچھا جو بھی ہے، بس طے ہوا کہ ہم کل جا رہے ہیں!" وہ نہایت مسرت سے کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"میں جا رہی ہوں، ازہمیر بھائی نیچے ہی بیٹھے ہوں گے۔اور ہاں، امی نے خالہ سے بات ویسے بھی کر لی ہو گی، میں تو بس خود بتانا چاہتی تھی، سو چلی آئی۔" وہ غزل سے گلے مل کر اور رخصت لے کر باہر چلی گئی۔

جبکہ، غزل تنہا کمرے میں بیٹھی یہ سوچ رہی تھی کہ اب وہ اس ٹرپ پر کیا کرے گی۔اسے ازہمیر کا سامنا بالکل نہیں کرنا تھا۔اس شخص کے سامنے آتے ہی اس کی خفگی کہیں دور جا سوتی تھی، اور وہ ایسا نہیں چاہتی تھی۔ابھی اس کا ارادہ کم از کم چند دن مزید خفا رہنے کا تھا۔

****

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

پچیس اکتوبر دو ہزار تیئیس۔

صبح صادق کا وقت تھا۔پرندے اپنے گھروں سے رزق کی تلاش میں نکل رہے تھے۔اکتوبر نے فضا میں خنک گھول دی تھی، تاہم شہرِ کراچی کی ضدی ہوا، اس خوشگوار ٹھنڈک کو ٹھہرنے نہ دیتی تھی۔جیسے کچھ تھا جو اس صبح کو آگے بڑھنے دینا نہیں چاہتا تھا۔

مرجان بیگ تھامے اپنے کمرے سے نکلی۔دروازے کے قریب رکھا زنیر کا بیگ دیکھ کر اس نے اپنا بیگ اس کے ساتھ رکھ دیا اور اندر کی جانب بڑھنے لگی پھر رکی۔

یہ جاننے کے لیے کہ وہ تیار ہے بھی یا نہیں،

یا حسب معمول کسی کام کو جان بوجھ کر اسے زچ کرنے کی خاطر طول دے رہا ہے۔

رات کا منظر ابھی تک اس کے ذہن میں تازہ تھا۔

وہ شخص،اس کے کمرے میں آیا اور بغیر کسی تمہید کے ایک خاکی لفافہ اس کے ہاتھ میں تھماتے نہایت سنجیدگی سے بولا،

"یہ آپ کی فلائٹ کی ٹکٹ ہیں۔"

"مگر ہم نے تو بائیک پر جانا تھا نا؟"

مرجان آنکھیں سکیڑے اسے دیکھتے،زنیر پر طنز کیے بغیر نہ رہ سکی۔

"پاگل نہیں ہوں کہ اتنا لمبا سفر بائیک پر کروں۔"

اس نے شانے اچکائے۔

"اسلام آباد سے آگے بائیک پر جائیں گے۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

مرجان نے اس عجیب مخلوق کو دیکھ، جو خود منصوبہ بنا رہا تھا اور خود ہی انہیں منسوخ بھی کر رہا تھا۔ اسے خود کو یوں دیکھتا پا کر زنیر نے مسکراہٹ ضبط کرنے کو ہونٹوں بھینچے اور اپنے مخصوص انداز میں انگلیاں ماتھے تک لے جا کر اسے خدا حافظ کہتا، کمرے سے یوں گیا جیسے وہاں تھا ہی نہیں۔ تیز رفتار گدھا! ہاں، مرجان کے لیے، فی الحال، وہ یہی تھا۔

"جرنلسٹ صاحب، ہم کام کے سلسلے میں جا رہے ہیں۔ آپ کی شادی پر نہیں۔" مرجان نے انگلیوں سے دروازے پر دستک دینے پر اجازت ملنے کے بعد دروازے سے ٹیک لگائے، بازو سینے پر باندھتے ہوئے کہا۔

"لیں، اپنی شادی پر میں یوں تھوڑی نہ جاؤں گا۔" انہماک سے اپنے بالوں کو سنوارتے شخص نے ایک پل کو رک کر کندھے جھٹکائے۔

مرجان نے افسوس سے گردن ہلائی۔

یہ شخص،

واقعی ناقابلِ اصلاح تھا۔

زنیر نے آخری بار خود کو شیشے میں دیکھا۔آنکھوں میں ایک خیال کوندا۔سبز آنکھیں ایک ثانیے کو روشن ہوئی، پھر مرجان کے تنے ہوئے تاثرات کو دیکھا اور کچھ بھی کہنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

کراچی سے اسلام آباد کا سفر جہاز میں پلک جھپکتے کٹ گیا،اصل راستہ آگے شروع ہونا تھا، تھکا دینے والا کٹھن سفر۔

مرجان نہیں جانتی تھی کہ ایئرپورٹ سے باہر نکلنے پر جو بائیک انہیں فراہم کی گئی۔اس کا بندوست زنیر نے کیسے کیا۔اور نہ ہی یہ کہ کچھ فاصلے ایک بار طے ہو جائیں تو وہ انسان کو کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

****

صبح کی دھوپ نے اندرونِ لاہور کو دھیرے دھیرے نہلا دیا تھا۔اپنی پوری شان سے کھڑی نواب حیدر علی خان کی حویلی کے سامنے ایک کوسٹر روانگی کے لیے تیار تھی۔سیاہ رنگ کی سیلون کوسٹر کے شیشے اتنے گہرے تھے کہ اندر کا حال مخفی تھا۔کوسٹر میں سوار کچھ لوگ سنجیدگی سے آپس میں بات کر رہے تھے، تو کچھ ہنسی مذاق میں مصروف تھے۔

مرال، غزل کے ساتھ ڈرائیور کے پیچھے والی سیٹ پر بیٹھی تھی۔ڈرائیو کرنے کی پہلی باری ازہمیر کی تھی اور یہ طے ہوا تھا کہ تھکن کے عالم میں تیمور اس کی جگہ سنبھالے گا۔

جب سب اپنی نشستیں سنبھال چکے، تو ازہمیر نے چابی گھمائی اور انجن اسٹارٹ کیا۔سفر چونکہ طویل تھا۔اس لیے آغاز کا ایک آدھ گھنٹہ خوب ہلہ گلہ رہا، پھر سب تھک کر اپنے اپنے موبائل میں مصروف ہو گئے یا باتوں میں مگن۔ہر شخص وہاں طمانیت سے بیٹھا تھا، سوائے غزل کے؛ کیونکہ مرال اسے جھیل سیف الملوک سے منسلک لوک داستان سنانا چاہتی تھی اور غزل کو اس میں قطعاً دلچسپی نہ تھی۔

ازہمیر وقفتاً فوقتاً، سب کا دھیان ادھر ادھر پا کر اس پر نظر ڈال لیتا اور وہ اس کی نظروں کی تپش محسوس بھی کر لیتی۔ہر بار اس کے دیکھنے پر غزل غصے سے آنکھیں بڑی کر کے اسے دیکھتی اور وہ سوچتا،

"اب بندہ اپنی منکوحہ کو نہ دیکھے تو کسے دیکھے؟ اور منکوحہ بھی وہ جو من چاہی ہو۔"

جی بالکل! میرا اور غزل کا نکاح ایک سال قبل ہو چکا ہے۔بس، میری پسندیدہ خاتون آج کل مجھ سے روٹھی ہوئی ہیں۔منکوحہ من چاہی ہو، تو اسے منانے کا موقع ملنا بھی کسی اعزاز سے کم نہیں لگتا، ہے نا؟

ازہمیر نے ایک بار پھر گہری نگاہ اس پر ٹکادی۔بے حد خفا ہونے کے باوجود غزل کے گالوں میں گلابیت گھلی تھی، جسے عقبی آئینے میں دیکھتے ازہمیر کے دل میں ڈھیروں سکون اتر آیا۔

****

سہ پہر کا وقت تھا اور دھوپ کی تپش میں ذرا سی شدت آچکی تھی۔راستے میں ایک مقام پر زنیر صاحب نے بائیک روکی، جس کے باعث مرجان کو بھی اپنی بائیک کو بریک لگانی پڑی۔

"اب کیا مسئلہ ہے؟"مرجان کا انداز ایسا تھا جیسے کوئی برداشت کی آخری حد کو چھو رہا ہو۔یہ پانچویں بار تھا جب اس نے بلاجواز بائیک روکی تھی۔

"وہ پانی۔۔۔"

"آدھے گھنٹے میں یہ تم نے تیسری بار پانی پینے کے لیے بائیک روکی ہے!"وہ برہم ہوئی۔

"واہ! آپ تو میرے پانی پینے کے اوقات بھی گننے لگی ہیں۔"زنیر نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

مرجان کا دل چاہا کہ پاس سڑک کے کنارے پڑا پتھر اٹھا کر اس کے سر پر دے مارے، لیکن وہ صبر کے گھونٹ بھر کر رہ گئی۔

****

کوسٹر کی کھڑکی سے باہر پہاڑوں کا منظر نہایت دلفریب تھا،تاہم سہ پہر کی دھوپ سے بچنے کے لیے کھڑکیاں بند کر کے سب نے ان پر پردے گرا دیے تھے۔سفر کی شروعات میں غزل نے چونکہ مرال سے کہا تھا کہ وہ داستان بعد میں سنے گی کیونکہ سفر خاصا طویل ہے. اس لیے اب مرال اس کی طرف جھکی تاکہ کہانی سنا سکے۔

"تم جانتی ہو؟"مرال نے دھیمے انداز میں آواز کو پراسرار بناتے ہوئے کہا،"یہ جھیل یونہی کوئی عام جھیل نہیں ہے۔"

غزل نے نظر موبائل سے اٹھا کر اسے دیکھا،"پھر کیا ہے؟"

مرال کی آنکھوں میں وہی چمک اتر آئی جو ہمیشہ کسی داستان گو کی آنکھوں میں ہوتی ہے۔

"کہتے ہیں کہ یہاں ایک وقت میں پریاں اترا کرتی تھیں۔"

"پریاں؟"غزل نے ہنس کر بات ٹالنی چاہی۔کیا داستانیں ہنس کر ٹالنے سے ختم ہو جاتی ہیں؟

"نہیں،سنو نا!"مرال نے فوراً بات کاٹ دی."یہ کہانی نہیں،ایک یاد ہے۔"

کوسٹر ایک موڑ کاٹتے ہوئے ہلکا سا جھکا۔دور کہیں کسی ندی کی آواز ابھری۔

"سوات کے پہاڑوں میں ایک پری تھی؛ بادشاہ کی بیٹی، بدیع الجمال۔اور وادیِ کنہار کے اُس پار، ایک انسان شہزادہ؛ سیف اُلملوک۔پریوں میں سب سے حسین پری اور مصر کے ہر دلعزیز و باوقار شہزادے کی داستان ہے یہ!"

مرال کی آواز اب سرگوشی میں بدل چکی تھی۔

"کیا تفصیلی انداز میں سننا چاہو گی؟"

غزل نے اثبات میں گردن ہلادی، کہ اس کے سوا اب کوئی اور چارہ نہ تھا۔

****

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

نجانے زنیر کا خوشگوار اور مرجان کا بلڈ پریشر بڑھانے والا سفر کب ختم ہوتا۔چونکہ سہ پہر ہو چکی تھی، اس لیے انہوں نے ایک جگہ رک کر پہلے کچھ کھانے کا سوچا۔

"کیوں نہ ہم تھوڑا گھوم پھر ہی لیں؟" زنیر نے تجویز دی۔

"لیکن پہلے میرے مقدمے کے سلسلے میں جانا ہے اور اس کے بعد تمہیں بھی تو مخبر سے ملنا ہے۔" مرجان نے اسے یاد دلانا چاہا۔

"لیں! وہ کام میں اسی بندے سے کروا چکا ہوں۔ وہ رات کو میری معلومات کے ساتھ آپ کے مقدمے سے متعلق ضروری معلومات بھی لے آئے گا۔"

"لیکن مجھے خود بھی ان لوگوں سے ملنا ہے۔"

"ٹھیک ہے، وہاں بھی چلے جائیں گے۔ شام کے وقت ان لوگوں کے گھر جانا زیادہ بہتر رہے گا۔ اور ویسے بھی آپ کا کام آسان کرنے پر شکریہ تو آپ کہیں گی نہیں، کیوں نہ تب تک آپ مجھ معصوم کو گھوم پھر لینے دیں۔" اختتام میں زنیر نے چہرے پر مسکینیت طاری کرتے ہوئے کہا۔

"اف! چلو۔۔" مرجان نے 'بھاڑ میں جاؤ'، 'جان چھوڑو' والے انداز میں کہا۔

"آپ تھکی تو نہیں ہیں؟" زنیر کے لہجے میں یک دم فکر جھلکی۔

"نہیں، میں تو مشین ہوں۔" اس نے تپے ہوئے انداز میں کہا۔

"گڈ! میرے شک کو یقین میں بدلنے کا شکریہ۔ اب اٹھیں جلدی کریں، ہمارے پاس صرف دو گھنٹے ہیں۔" اس نے میز سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اچھا ہے، کم از کم ہم میں سے ایک تو عقل سے لیس ہے۔" وہ سادہ انداز میں کہتی ہوئی اس سے آگے بڑھ گئی۔

زنیر چند پل ٹھہر گیا۔ مجال ہے جو وہ کبھی اسے جواب دینے کے قابل چھوڑے۔

****

"محترمہ! اٹھیں یا ساری رات یونہی بیٹھنے کا ارادہ ہے؟" دس منٹ بعد بھی اسے یونہی بیٹھا دیکھ کر شہزادے نے کہا۔اس کے لہجے سے صاف ظاہر تھا کہ محترم کا صبر اب جواب دے چکا ہے۔

غائبہ آہستہ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور رات کی چاندی میں نہائے شہزادے پر نظر پڑی تو ہنسی چھوٹ گئی۔ جسے اس نے فوراً ضبط کر لیا۔اس کے بال مٹی سے اٹے تھے اور چہرے پر بھی گرد کے نشان تھے۔ان دونوں کو ہی علم نہیں تھا کہ وہ کنویں سے اس کنارے تک کیسے آئے۔شاید مٹی کے یہ نشان اسی "منتقلی" کے دوران لگے تھے۔

"ہنس لیں، تاکہ میں بھی آپ کے حلیے پر ہنس سکوں۔" شہزادے نے سنجیدگی سے کہا۔

غائبہ نے انگلی کی پوروں سے اپنے چہرے کو چھوا اور مٹی محسوس کی۔ پھر اس نے شہزادے کو دیکھا اور وہ دونوں ایک دوسرے کی خستہ و آزردہ حالت پر ہلکا سا ہنس پڑے۔

جب دونوں خاموش ہوئے تو کسی خیال کے تحت اس نے کہا،

"دنیا تو یہ ہماری ہی ہے، لیکن یہ غیر معمولی خاموشی کیوں ہے؟" غائبہ کی بات پر شہزادے نے بھی ارد گرد نگاہ دوڑائی۔

"اور سنسان بھی۔" شہزادے نے اضافہ کیا۔ "ہم غالباً سرد موسم میں یہاں سے گئے تھے۔ سرما میں یہاں ایسی صورتحال نہیں ہوتی۔"

غائبہ نے الجھن سے اسے دیکھا۔ چند لمحے وہ دونوں یونہی الجھے ہوئے سے کبھی ایک دوسرے کو، تو کبھی اطراف میں کھڑے ان بلند و بالا پہاڑوں کو دیکھتے رہے۔ چاند کی دودھیا روشنی پہاڑوں کی ڈھلوانوں پر کسی ہیولے کی طرح رقص کر رہی تھی۔

اس پل، جو وجدان انہیں ملا تھا۔ وہ ان دونوں کو منجمد کرنے کے لیے کافی تھا۔

****

"کہتے ہیں مصر کے بادشاہ عاصم کی یہ خواہش تھی کہ ان کے ہاں ایسا بیٹا ہو جو دین و دنیا، دونوں کا سنگھار ہو۔ اگرچہ ان کی کئی اولادیں تھیں، مگر کوئی بھی ایسی نہ تھی جو دینی و دنیاوی، دونوں پہلوؤں میں بے مثال ہو۔ پھر کچھ عرصہ گزرا۔ طویل صبر کے بعد ایک ہی زمانے میں نہ صرف بادشاہ کے ہاں، بلکہ ان کے وزیر کے گھر بھی بیٹے کی پیدائش ہوئی۔ بادشاہ کے بیٹے کا نام 'سیف الملوک' رکھا گیا اور وزیر کے بیٹے کا نام 'صاعد'۔"

"شہزادہ سورج کی مانند چمکتا ہوا لعل تھا اور صاعد، وزیر کا بیٹا، موتی سا خاموش مگر روشن۔ بادشاہ نے دونوں کے لیے ایک باغ تعمیر کروایا اور حکم دیا کہ یہ دونوں قیمتی ہیں۔ انہیں لوگوں کی نظروں سے دور اس باغ میں رکھو اور وہیں ان کی پرورش کرو۔ جب چار برس، چار

ماہ اور چار دن مکمل ہوئے، تو بادشاہ نے نجومیوں کی ایک جماعت کو بلایا تاکہ جانا جاسکے کہ علمِ نجوم ان بچوں کے بارے میں کیا کہتا ہے۔"

"نجومی حساب لگا کر پریشان ہو گئے۔ بار بار اصرار پر انہوں نے جان کی امان چاہی۔ بادشاہ نے امان دی تو وہ بولے،

"دولت، علم اور نیک بختی، ہر پہلو سے ان کے نصیب روشن ہیں، مگر ایک بات ہے جو اضطراب میں ڈالتی ہے وہ یہ ہے کہ شہزادہ عشق کے سبب سفر کرے گا۔"

مرال اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی۔

"پھر؟" غزل نے تجسس سے پوچھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

****

"کیا آپ بھی وہی سوچ رہی ہیں جو میں سوچ رہا ہوں؟"

شہزادے نے ہڈیوں میں سرایت کرتی اس خوفناک خاموشی کو توڑ کر سوال کیا۔

"وقت نہیں رکا۔"

غائبہ نے فقط تین لفظ کہے۔ اور یہ وہی جانتی تھی کہ یہ کہتے ہوئے وہ کیسا محسوس کر رہی تھی۔ کوئی اور وقت یا حالات ہوتے، تو وہ دونوں ہی وقت کے اس سفر پر نہایت خوش ہوتے اور

اس پر دلچسپی سے تبصرے کرتے، مگر کیا واقعی سب کچھ انسان کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے؟ اس وقت وہ تین لفظ کسی عدالتی فیصلے کی طرح بھاری تھے، جو بتا رہے تھے کہ وہ اپنی جانی پہچانی زندگی سے بہت دور نکل آئے ہیں۔

"ارد گرد دیکھتے ہیں، کچھ تو اندازہ ہو کہ یہ کون سا وقت ہے اور آگے کیا کرنا ہے۔" شہزادے نے حکمتِ عملی پیش کی۔ غائبہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ دونوں پہاڑوں کے اس حصے سے جھیل کے کنارے کی سمت چلنے لگے۔ دونوں ہی خاموش تھے، تاہم ذہن میں چلتی سوچوں کا تسلسل اندر طوفان برپا کیے ہوئے تھا۔ آخر وقت کیسے گزرا؟ کتاب میں لکھا تھا کہ دو دنیاؤں کے سنگم سے سفر ہو تو وقت تھم جائے گا، لیکن اب وقت گزرا تو کتنا گزرا؟ ان کے گھر والے کیسے ہوں گے؟ وہ انہیں کیا بتائیں گے کہ وہ اتنا عرصہ کہاں غائب رہے؟

چاندی کے پہاڑوں میں سے دور کھڑے ایک اونچے پہاڑ کی طرف دیکھتے ہوئے شہزادے نے متجسس انداز میں سوال کیا،

"اس پہاڑ سے اگر ہم گریں تو کیا ہماری لاشیں ملیں گی؟"

"نہیں، اُس پہاڑ سے۔" غائبہ نے مزید اونچے پہاڑ کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاہا! نہیں، مجھے اتنی محنت نہیں کرنی۔" شہزادے نے ہنستے ہوئے کہا۔ یہ ہنسی رات کے اس پہر پہاڑوں کے سکوت میں ایک عجب بازگشت پیدا کر رہی تھی۔ غائبہ نے اسے ایسے دیکھا جیسے پوچھ رہی ہو،

"آپ پاگل ہیں؟"

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ قیدیوں کو تشدد کرتے کرتے آپ خود پر بھی تشدد کرنے کے شوق پالنے لگیں گے۔"

"تشدد تو خیر نہیں تھا یہ۔" شہزادہ اپنے مخصوص انداز میں کہتے اس سے چند قدم آگے بڑھ گیا۔ اس کی نظریں اب جھیل کے اس سیاہ پانی پر تھیں جو چاندنی میں چمک رہا تھا۔

"ہاں! اس پہاڑ پر پھولوں کے ہار مل رہے ہیں، جائیں پہن لیں۔" وہ تند ہی سے کہتی ہوئی تیز رفتاری سے آگے بڑھی۔ یہ الگ بات تھی کہ شہزادے کا خیال اسے بھی دلچسپ لگا تھا، لیکن وہ ظاہر کیوں کرے؟ ویسے بھی جیسی زندگی وہ وہاں گزار کر آئی تھی، اب نجانے کتنے کٹھن کام اور باقی تھے، کیوں نہ۔۔۔ اس نے اس سوچ کو فوراً جھٹکا۔

"تم اتنی جلد ہار نہیں مان سکتیں۔ جہاں اتنے پہاڑ سر کیے، وہاں یہ ایک اور تو بس کھیل ہے۔" وہ من ہی من خود سے کہتی رہی۔ شہزادہ اس کے حال سے واقف تھا۔ خود اس کا حال

بھی کچھ مختلف نہ تھا۔غائبہ کو آگے بڑھتے دیکھ کر اس نے اپنی رفتار تیز کی تاکہ اس کے قدم سے قدم ملا سکے۔

****

پھر وقت کیا پہلے کبھی کسی کے لیے رکا ہے جواب ٹھہرتا؟ وہ دونوں بڑے ہوئے۔ سیفُ الملوک گویا ہر اعتبار سے ایک کامل انسان تھا۔ گفتگو کرتا تو جیسے لفظ موتیوں کی صورت بکھر جاتے۔ صرف دس برس کی عمر میں اس نے اور صاعد نے تمام علوم پر عبور حاصل کر لیا تھا۔ وہ کائنات کی ہر مخلوق کی بولیاں سمجھتا تھا۔ایسا عالم کہ اس وقت میں اس جیسا کوئی دوسرا نہ تھا۔

عاصم شاہ کے پاس ایک صندوق تھا۔

نہایت قیمتی، نہایت محفوظ۔

انہوں نے سوچا، شہزادے سے بڑھ کر انہیں عزیز کون ہو سکتا ہے؟ سو وہ صندوق شہزادے کے سپرد کر دیا گیا۔ جب صندوق اس کے سامنے لایا گیا تو معلوم ہوا کہ اس کے اندر ایک اور صندوق ہے۔

وہ کھولا گیا تو ریشمی کپڑے پر ایک چہرہ نقش تھا۔ چاند سے زیادہ روشن، اور نقش و نگار ایسے جیسے کسی جنتی حور کی جھلک ہو۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"واقعی؟" غزل کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں،" مرال نے آہستگی سے کہا،

"وہی لمحہ تھا جب شہزادہ پہلی بار محبت میں مبتلا ہو گیا۔ دنیا اس کے لیے دھندلانے لگی۔ وہ خود میں سمٹتا چلا گیا۔"

شہزادے کی یہ کیفیت دیکھ کر وزیروں سے مشورہ کیا گیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ فوجیں ساری دنیا میں پھیلا دی جائیں اور اس نقش کی حامل لڑکی کو ڈھونڈ نکالا جائے۔

مگر جب تک تلاش جاری رہی، شہزادہ عشق کی حدت میں جلتا رہا۔ یوں دس برس بیت گئے۔ لڑکی کے متعلق کوئی معلومات نہ ملنی تھی، سو نہ ملی۔

بالآخر اس اذیت کو ختم کرنے کے لیے شہزادے نے خود سفر پر نکلنے کا فیصلہ کیا۔ ماں نے یہ سنا تو رو پڑی۔ باپ کے لیے اپنے سب سے قیمتی اثاثے کو رخصت کرنا آسان نہ تھا۔

عاصم نے اسے دیکھا اور غمگیں لہجے میں کہا، "اب میرا عصر کا وقت ہے۔ پتہ نہیں کب زندگی کی شام ہو جائے۔ آج مجھے چھوڑ کر جا رہے ہو۔ اگر میرے مرنے کے بعد تلاش کرو گے تو شاید مجھے نہ پاؤ۔"

ماں نے جب دلیل اور فہمائش سے اسے روکنا چاہا تو شہزادہ بولا، "اذیت سے نجات کے واسطے اب میری صرف ایک ہی خواہش ہے کہ مر جاؤں یا جان چلی جائے، اور آپ ہنستا بستا گھر دیکھنے کی آرزو رکھتی ہیں۔ کیسی بھولی ماں ہیں آپ!"

وہ شہزادہ جو سب سے قیمتی تھا، اب دیوانوں کی طرح گلیوں میں پھرنے لگا۔ جب بادشاہ سے اس کی یہ حالتِ زار نہ دیکھی گئی، تو آخر کار اسے رختِ سفر باندھنے کی اجازت دے دی گئی۔

****

نیلگوں جھیل کے کنارے تک چلتے ہوئے انہیں کافی وقت بیت گیا تھا۔ شہزادے کو کبھی وہم و گمان بھی نہ تھا کہ وہ اس دنیا میں یوں خاک چھاننے نکلے گا۔ 'اگر میرے گھر والے مجھے یوں دیکھ لیں تو شاید حیران و پریشان رہ جائیں۔'

'یار! کتنی عجیب لگ رہی ہوں میں۔۔۔ کوئی اپنا مجھے یوں دیکھ لے تو شاید پہچان ہی نہ سکے۔'

مختلف ذہن، مگر ایک ہی سوچ!

یہاں تک کہ وہ جھیل کے کنارے پہنچ گئے۔ غائبہ اپنے خیالات میں مگن رہی تاکہ اس تلخ حقیقت کے متعلق کوئی لائحہ عمل طے کر سکے۔ جبکہ شہزادہ، جو کہ ارد گرد کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ اسے اپنا بدترین شک یقین میں بدلتا نظر آیا۔

"وقت رکا ہوا ہے۔" دھیمی آواز میں غائبہ کو یہ جملہ سنائی دیا۔ وہ فوراً ٹھہر کر اس کی طرف پلٹی۔

"وقت رکا ہوا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے میں نے اس کتاب میں پڑھا تھا۔" شہزادے نے بات دہرائی۔ غائبہ کی آنکھوں میں الجھن ابھری۔

"کیسی کتاب؟"

"وہی جو آپ پڑھ رہی تھیں۔ آپ کے بعد میں نے اسے کھولا تو وہاں لکھا تھا کہ:

'جو نظام ہو درہم برہم

اور پلٹ جاؤ تم

تو نظام ہو درہم برہم

وقت ہو ساکت

لوگ مجسم'"

شہزادے کی گھمبیر آواز نے ہر سو احاطہ کیا۔ غائبہ نے بے ساختہ جھیل کی طرف دیکھا تو اس کی روح لرز گئی۔ جھیل کی وہ لہریں، جو نیم بے ہوشی کے عالم میں تھوڑی دیر پہلے اسے ٹھاٹھیں مارتی سنائی دی تھیں، اب وہ ایک ادھورے ارتعاش کی صورت میں وہیں تھم گئی تھیں۔ جیسے کسی نے پانی کو پتھر بنا دیا ہو۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"یعنی..." وہ مدھم آواز میں کہتے ہوئے باعثِ حیرت رک گئی۔

"یعنی، نہ ہمیں لوگ ملیں گے نہ کوئی اور۔۔۔"

"تو اب ہم کیا کریں؟" غائبہ نے پریشانی سے اسے دیکھا۔ "وہاں کچھ تو ہو گا، مزید کچھ جو آپ نے پڑھا ہو گا۔ یاد کریں۔"

شہزادہ قریب پڑے ایک بڑے پتھر پر بیٹھ گیا اور غائبہ نم گھاس پر۔

"ہم کوشش کر رہے ہیں۔" دونوں کے چہروں سے اضطراب صاف جھلک رہا تھا۔

غائبہ کو گھاس پر بیٹھا دیکھ کر وہ نامحسوس انداز میں ذرا فاصلے پر بیٹھ گیا۔ یکایک شہزادے کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔۔۔

دور کہیں پہاڑوں کے درمیان وہ جیپ کی روشنی، جو ابھی کچھ دیر پہلے حرکت کر رہی تھی۔

اب وہ بھی ایک ساکت ستارے کی طرح ایک جگہ رک گئی تھی۔

****

مرال اسے مزید داستان سناتی لیکن سب نے رک کر کچھ کھانے کا سوچا۔

کھانے سے فارغ ہو کر اور کچھ دیر یہاں وہاں ٹہل کر، وہ کوسٹر میں بیٹھے۔ شام ہو چکی تھی، ٹھنڈک ہوا کے ذریعے ان کے وجود میں اترنے لگی تھی۔

ڈرائیونگ کی باری تیمور کی تھی۔ ازہمیر اپنی جگہ پر پیچھے جا کر بیٹھ گیا۔ ہیڈ فونز لگا کر اس نے سر کی پشت سیٹ سے ٹکالی۔

"آگے سناؤں؟" مرال نے استفہام کیا۔

غزل نے کچھ نہیں کہا بس ہاتھ میں پکڑا موبائل نیچے رکھ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

مرال نے پھر کہنا شروع کیا،

"سیف الملوک کو بادشاہ عاصم نے کہا: 'بیٹا، میں نے اپنے نصیب میں تمہیں وداع کرنا پڑھ لیا ہے۔ جو جدائی میرے نصیب میں لکھی ہے۔ میں اسے برداشت کر لوں گا۔'"

"آؤ گلے لگائیں، الوداع کہیں... میرے لیے آنسو بہاؤ، جب میرا وقت آئے گا تو کون بلائے گا؟ پھر یہ رزق اور موت کا کام ہے، بندے کے بس میں کچھ نہیں۔"

شہزادہ روانہ ہوا اور سب اس کا سفر آسان بنانے میں لگ گئے۔ جہاں وہ چاہتا، ملاح کشتی کا رخ بدل دیتے، ساتھی ہنستے کھیلتے اسے مصروف رکھتے، تاکہ اس کا غم کچھ کم ہو۔ سفر پر سکون گزرتا رہا۔ تلاش جاری رہی۔

شہزادے کو یاد تھا کہ بادشاہ نے اسے اور صاعد کو تین سال کا وقت دیا تھا۔ان تین برس میں لڑکی ڈھونڈنی تھی، ورنہ لوٹ آنا۔

اچانک لہروں کا شور اٹھا۔ جہاز میں سوار سب لوگ دیکھتے ہیں کہ ایک خطرناک طوفان ان کی طرف بڑھ رہا ہے۔

مرال کی آواز میں جو شیلی پراسراریت تھی۔

"پھر؟" مرال کے یک دم خاموش ہونے پر غزل نے متجسس ہو کر پوچھا۔

"سیف الملوک سمیت سب لوگ، اس قیامت کے برپا ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ گویا، سب کو یقین تھا کہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ پھر بھی، دل میں بجی موہوم سی امید کے ہاتھوں وہ رب تعالیٰ سے طوفان سے بچاؤ کی دعا کرنے سے خود کو نہ روک پائے۔

لہر آگئی، پانی آسمان سے ملا ہوا لگتا تھا۔ان کی تمام دلیری اور امید دھند میں گھل گئی۔

طوفان اتنا شدید تھا کہ بیڑے ایک دوسرے سے ٹکرا کر ٹکڑوں میں بٹ گئے۔ کچھ ڈوب گئے، کچھ کے ٹکڑے باقی رہ گئے۔ کئی بیڑے لہروں کے گرداب میں غرق ہو گئے۔ مگر مچھ و مچھلیاں اس طرح انسانوں کو نگل رہی تھیں جیسے آٹے کے پیڑے ہوں۔

کسی کو کسی کی خبر نہ تھی۔ دھند اور شور میں کچھ بھی سنائی نہیں دے رہا تھا۔ تمام لشکر اور خزانوں سمیت چالیس بیڑے ڈوب چکے تھے، اور ہزاروں طاقت ور سپاہی غرق ہو گئے تھے۔

کئی روز بعد ہواؤں کا غبار ہٹ گیا۔ سورج نکلا، روشنی ہوئی، موسم صاف ہو گیا۔ جہاز میں صرف ستر آدمی زندہ بچے تھے۔ باقی سب لاپتہ تھے۔ جو بچے، وہ بھی بری حالت میں تھے۔ شہزادہ اپنے عزیز از جان دوست کو کھو چکا تھا۔

دیکھنے والے کہتے ہیں کہ اس ویران مقام پر ارد گرد کی مخلوقات عجیب تھیں؛ مچھلیاں پانی میں سریلی، مگر خوف پیدا کرنے والی آوازوں میں گویا تھیں۔ پھر اچانک ایسا محسوس ہوا جیسے آگ نے تمام گھنے درختوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہو۔

ہر طرف شعلے ہی شعلے تھے۔ پورا علاقہ جلتا ہوا دکھائی دیتا تھا، اور ٹاپو (جزیرہ) ایک آگ کے سمندر میں تبدیل ہو چکا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر شہزادہ سیف الملوک کے دل میں خوف اتر آیا۔ اس نے دل ہی دل میں دعا کی،

"اے باری تعالیٰ، اگر آج خیریت سے بچ گئے تو صبح ہوتے ہی یہاں سے کوچ کر جائیں گے۔ کہیں یہ بلائیں ہمیں ہلاک نہ کر دیں۔"

جب صبح ہوئی تو منظر بالکل بدل چکا تھا۔ تمام مخلوقات پانی میں جا چھپی تھیں، اور حیرت انگیز طور پر ہر شے اپنی اصل حالت میں موجود تھی۔

نہ کہیں راکھ تھی، نہ کوئلے کے آثار، نہ ہی آگ کا کوئی نشان۔

سیف الملوک حیرانی سے ارد گرد دیکھتا رہا۔ جیسے یہ راز اس کے دل میں ایک نئی دہشت بھر گیا ہو۔ اس نے فوراً ساتھیوں سے کہا،

"جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے نکل چلیں، یہ جگہ محفوظ نہیں۔"

ساتھیوں نے اس کی بات مانی، سب بیڑوں پر سوار ہوئے اور خاموشی سے اپنا سفر دوبارہ شروع کر دیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

****

"وہاں۔۔۔ کچھ اور بھی تھا؟"

غائبہ کو اپنی آواز کسی گہری کھائی سے ابھرتی محسوس ہوئی۔ وہ شہزادے کی آنکھوں کا بدلتا تاثر پڑھ چکی تھی۔

"جو تم لوٹو اِس کنویں سے

جلد، تم لوٹو اُس کنویں سے

بہت جلد!

وقت ہے بڑا ظالم

نہیں پسند اسے کوئی رکاوٹ

لوٹو تم جلد

اس سے پہلے کہ ابھرے سورج

دیر نہ کرنا

بس، دیر نہ کرنا

ملیں گے تمہیں وہ لوگ

جڑا ہو گا جن کے لہو سے لہو تمہارا

واقف ہو گا جن کے قلب سے قلب تمہارا

بس، دیر نہ کرنا

کہ دیر سے ہو جائے گا

نظام درہم برہم!"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

شہزادہ یہ کہہ کر خاموش ہوا۔

"ہمارے پاس کتنا وقت ہے؟" غائبہ اٹھ کر بے چینی سے ادھر ادھر ٹہلنے لگی۔اس کے قدموں تلے گرے چند خشک پتوں کی ٹوٹنے کی آواز بھی سنائی نہ دیتی تھی۔کیونکہ وقت کا پہیہ تھم چکا تھا۔

"کم وقت ہے۔" شہزادے نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔"اس وقت رات کا دوسرا پہر شروع ہو چکا ہے۔سورج نکلنے میں اب صرف چند گھنٹے باقی ہیں۔"

"یعنی ہمیں جلد از جلد واپسی کا راستہ ڈھونڈنا ہے۔" وہ عزم سے بولی۔

"واپسی کا؟" اس کی آواز میں حیرت اور غصہ دونوں تھے۔"رات کے اس پہر؟اور آپ۔۔۔آپ وہاں دوبارہ جانا چاہتی ہیں؟اس جہنم میں؟" اس نے لفظ 'جہنم' پر زور دیا۔

"ہاں!"

"لیکن کیوں؟" اس نے آہستہ سے کہا،البتہ لہجے میں تلخی اور بے بسی تھی۔

"میرے ساتھی وہاں ہیں۔"

"وہی جنہوں نے آپ کو مرنے دیا؟" شہزادے نے اپنی عادت کے تحت سخت لہجے میں کہا۔وہ جانتی تھی کہ یہ محض سوال نہیں تھا۔وہ اسے بہت کچھ باور کروا رہا تھا۔

"ہاں!" غائبہ نے سوچا کہ کیا وہ اسے حقیقت بتادے؟ مگر اس کی نظر شہزادے کے تنے ہوئے چہرے پر پڑی۔ 'نہیں!' اسے یہ فیصلہ کرنے میں بس ایک پل لگا۔

"آپ نے آنا ہے تو آئیں۔ نہیں آنا تو نہ آئیں۔ میں تنہا بھی جا سکتی ہوں۔"

"میں کسی اور کے لیے اپنی جان خطرے میں کیوں ڈالوں؟" وہ عاجز آ چکا تھا۔

"کسی اور کے لیے نہیں۔۔" غائبہ کی آواز میں اب خاموش مزاحمت اور ٹھہراؤ تھا۔ "اپنے خاندان کے لیے!"

"میرے خاندان کا اس سے کیا تعلق؟" اسے اپنے خاندان کا ذکر سخت ناگوار گزرا۔ آخر، اس کے خاندان کا اس سب سے کیا تعلق؟

"اگر وقت کا نظام الٹ گیا..."

غائبہ نے جیسے اس کی کھوئی ہوئی یادوں کو آواز دی،

"تو آپ سے بہتر کون جانتا ہے کہ اس کے کیا نتائج ہو سکتے ہیں؟ کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے اپنوں کی سانسیں بھی اس جھیل کی لہروں کی طرح تھم جائیں؟"

"مگر لازم نہیں کہ جو وہاں لکھا تھا، وہی ہو۔"

وہ جو کب کا پتھر سے اٹھ کر کھڑا ہو چکا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھ کر، اسے سمجھانے کی کوشش کرنے لگا۔ آنکھوں میں تکلیف کی لہر ابھر کر اندر کہیں مدفن ہو گئی۔

"پھر پہلے وہ کیوں ہوا۔ جو کتاب میں تھا؟"

غائبہ کے سوال کے بعد، دوسری طرف مکمل سکوت چھا گیا، تاریک سکوت۔

****

کوسٹر کی کھڑکی سے باہر پہاڑوں کے سائے اب صرف سائے نہیں رہے تھے۔ وہ جیسے حرکت کرتے محسوس ہو رہے تھے۔ سورج ڈوبنے کے قریب تھا اور کرنیں، ایک دوسرے کو جیسے مزید خوبصورت بنا رہی تھیں۔ ہیبت ناک خوبصورتی۔

مرال نے غزل کی آنکھوں میں جھانکا۔ جیسے دیکھنا چاہتی ہو کہ کیا وہ واقعی کہانی ذوق سے سن رہی ہے؟

"ہاں تو ہم کہاں تھے، یاد آیا!

طوفان تھم گیا تھا، غزل۔"

وہ لمحہ بھر رکی۔

"مگر کچھ طوفان ایسے ہوتے ہیں جو سمندر میں نہیں، انسان کے نصیب میں اٹھتے ہیں۔"

غزل نے بے اختیار اپنی شال کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ کہانی اسے خوف دلائے نہ دلائے مرال کا لہجہ ضرور دلا رہا تھا۔

"جب شہزادہ اس جزیرہ سے نکلنے لگا تب ایک انہونی ہوئی۔ اور جب وہ ہوش میں آیا۔ تب اس کے کانوں میں لہروں کی آواز نہیں تھی..."

مرال کی آواز آہستہ مگر بھاری تھی۔

"بلکہ کسی اجنبی چیخ جیسی بولی، کھردری ہنسیوں اور درختوں کے بیچ حرکت کرتی آنکھوں کا شور تھا۔"

غزل نے سر اٹھایا۔ "آنکھوں کا شور؟"

"ہاں۔"

مرال نے سر ہلایا۔

"وہ ایک جزیرہ تھا۔ جہاں انسان قیدی تھے اور بندر حاکم۔"

ہوا کا ایک جھونکا شیشے سے ٹکرایا۔

"وہ عام بندر نہیں تھے، غزل۔ قد آور، بازوؤں میں غیر انسانی طاقت، اور آنکھوں میں ایسی چمک جیسے وہ سوچ سکتے ہوں.... تول سکتے ہوں.... اور فیصلہ کر سکتے ہوں۔"

"شہزادہ تنہا تھا کیونکہ اس کے ساتھیوں کو قید کیا جا چکا تھا۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"ہزاروں آنکھوں کے بیچ، بالکل تنہا۔"

غزل نے کندھے اچکائے اور ڈرنے کی اداکاری کی۔

"بندروں کی قید؟ یہ تو کسی ڈراؤنے خواب جیسا لگتا ہے۔"

"خواب نہیں، سزا تھی وہ۔" مرال نے بات جاری رکھی، البتّہ اس کے اندر کے داستان گو کو یہ اندازہ برا لگا۔

"خیر، انہوں نے اسے گھیر لیا۔ آوازیں تھیں، مگر کوئی زبان پہچانی نہیں جاتی تھی۔ پھر اسے گھسیٹ کر ایک کال کوٹھری میں ڈال دیا گیا۔"

مرال کا لہجہ مزید دھیمہ ہو گیا۔

"وہاں سورج کی روشنی نہیں آتی تھی، غزل۔

اور وقت.... وقت جیسے تھم سا گیا تھا۔"

غزل نے آہستہ کہا، "صاعد نہیں ملا؟"

"نہیں، وہ ساتھ نہیں تھا۔"

مرال کی آواز میں پہلی بار نمی آئی۔

"اور شاید یہی وجہ تھی کہ شہزادہ اتنا آزردہ تھا۔"

ایک لمحے کی خاموشی چھائی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"مہینے گزرے۔ جسم کمزور ہوا، مگر آنکھیں نہیں۔

اس نے سیکھا... سنا... دیکھا۔

ان کی بولی، ان کے اشارے، ان کے خوف۔"

غزل بے اختیار بول اٹھی، "وہ لڑا؟"

مرال نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں۔

اس نے انتظار کیا۔"

"جس دن اسے بادشاہ کے سامنے لایا گیا۔ اس دن اس کے ہاتھوں میں زنجیریں تھیں..."

مرال نے اپنی مٹھی بھینچی۔

"مگر دل میں ایک عہد۔"

"وہ عہد جس کا نام بدیع الجمال تھا۔"

"اس نے زنجیریں توڑیں، بازوؤں کی طاقت تو تھی لیکن، اصل قوت اسے اس یقین سے ملی،

کہ کچھ محبتیں انسان کو مرنے نہیں دیتیں۔"

"جب وہ لڑا..."

مرال نے سر پہاڑوں کی سمت اٹھایا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"تو جو ساتھی ہمت ہار چکے تھے، وہ بھی جاگ اٹھے۔"

وہاں سے آزادی ملی، تو قسمت نے ایک اور قید لکھ دی۔

اس بار حبشیوں کی، جابر قید۔

جہاں ان سے ایسے محنت کش کام لیے جاتے تھے کہ بدن تھک جائے، مگر دل کو فرصت نہ ملے۔

"مرال، قید کو چھوڑو۔"

غزل بے صبری سے بولی۔

"مجھے یہ بتاؤ، وہ اس لڑکی سے ملا یا نہیں؟"

ہر کہانی سننے والے کی طرح، اسے انجام کا لمحہ کھینچ رہا تھا۔

"یار، ایسے مزا نہیں آئے گا۔"

مرال نے منہ بنایا۔

"اُف!"

غزل نے آنکھیں میچ لیں۔

"اچھا سنو۔"

مرال نے بات تھامی۔

"حبشیوں کی قید سے شہزادے کو آزادی ایک پرندے کی مدد سے ملی، کوہ پیکر۔

تاہم، آزادی کے بعد بھی راستہ آسان نہ تھا۔ایک جنگل میں وہ پھر قید ہوا،اور وہیں اس کی ملاقات ایک ملکہ سے ہوئی۔"

ملکہ...

جو بارہ برس سے اپنے گھر والوں سے بچھڑی ہوئی تھی۔

شہزادے نے اس کی مدد کی،

اور بدلے میں اس نے عہد کیا کہ وہ اسے اس کے بچھڑے دوست، صاعد، سے ملوادے گی۔

"اور،اور،اور..." مرال کی آواز میں یک دم جوش ابھرا۔

"بتاؤ بھی۔۔۔" کہانی سنتی لڑکی کچھ متجسس ہوئی۔

"وہ بدیع الجمال کی دوست تھی."

"نووےےےے..." غزل نے بے یقینی سے کہا۔

"ارے ہاں نا،اچھا چلو آگے سنو۔" مرال اس کی طرف جھکی، چہرے کے تاثرات سے بچوں کی سی خوشی جھلکتی تھی۔غزل کے چہرے پر مسکراہٹ نے احاطہ کیا۔

"طوفان نے جنہیں جدا کیا تھا،

وقت نے انہیں پھر ملا دیا۔

ملکہ اسے اپنے دیس لے گئی،

جہاں عزت بھی ملی،

اور صاعد بھی۔

شہزادہ رب کا شکر ادا کرتے نہ تھکتا۔

مگر محبت کے روگ کیا کبھی انسان کو تنہا چھوڑتے ہیں؟

ایک دن شہزادہ ضبط توڑ بیٹھا۔

روتے ہوئے اس نے ملکہ سے کہا،

"آپ میرے حال سے واقف ہیں... کیا آپ بدیع الجمال کو میری محبت سے واقف نہیں کر سکتی؟"

Clubb of Quality Content

ملکہ خاموش رہی، پھر بولی۔

میں کوشش کروں گی۔"

یہ سن کر شہزادے کی خوشی سنبھالی نہ گئی۔ وہ اتنا خوش تھا کہ سفر کے دوران ملے زخم بھولنے لگا۔

ملکہ نے اپنی دوست سے بات کی۔

پہلے انکار ہوا، بدیع الجمال کا ماننا تھا کہ

پریوں میں وفا ہوتی ہے اور انسان... اکثر ظالم نکلتے ہیں۔

مگر ملکہ کے اصرار پر اسے ماننا ہی پڑا۔

ہر بار کی طرح اس بار بھی، ملکہ نے اپنی دوست سے منت کی،

"ایک بار.. بس ایک بار اس سے مل لے۔۔"

میں اسے دور سے دیکھنا چاہتی ہوں۔" شاہ پری نے بس اتنا کہا۔

ملکہ اسے ساتھ لے آئی۔

جب وہ باغِ ارم سے باہر نکلی،

تو جھیل کنارے ایک وجیہ نوجوان کو دیکھا۔

اپنے خیال میں گم،

بازو سے بندھی ایک تصویر کے ساتھ۔

وہی تصویر.. جو اس حسین پری کا عکس تھی۔

ملکہ نے کہا،

"چاہیں تو میں یہ تصویر لے لوں اور آپ کو دے دوں۔"

مگر اس نے منع کر دیا۔

کہ وہ تصویر

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

شہزادے کی زندگی کی واحد وجہ تھی۔

پری لوٹ گئی،

مگر جاتے جاتے شہزادے کا روگ اپنے ساتھ لے گئی۔

****

زنیر اور مرجان اس وقت دریائے کنہار کے کنارے کھڑے تھے۔

دریائے کنہار کے بالکل قریب، بیس کیمپ ریسٹ ہاؤس میں انہیں دو کمرے مل گئے تھے۔ گو کہ ان کا وہاں قیام صرف عارضی تھا، مگر زنیر نے کہا،

"چونکہ جس شخص سے ملنا ہے اسے ابھی وقت لگے گا۔ کیوں نہ ذرا سامان رکھ کر تھوڑا گھوم آیا جائے، ساتھ ہی آرام بھی ہو جائے۔"

شام کی ہلکی خنکی فضا میں رچ بس گئی تھی۔ پہاڑوں کی چوٹیوں سے چھن کر دریا کے نیلگوں اور سبز مائل شفاف پانی پر پڑتی ہوئی روشنی، ایسے لگتی جیسے سطحِ آب پر ہزاروں نارنجی ہیرے بکھیر دیے گئے ہوں۔ پانی اتنا شفاف تھا کہ تہہ میں موجود رنگ برنگے پتھر اور اٹھکھیلیاں کرتی مچھلیاں واضح دکھائی دے رہی تھیں۔

ہر طرف سکون چھایا ہوا تھا، جسے صرف دریا کے بہاؤ کا "شورِ مسلسل" توڑ رہا تھا۔ یہ شور بس شور نہیں تھا۔ یہ فطرت کی ایک مدھر موسیقی تھی۔ کانوں میں رس گھولنے والی۔ کہیں کہیں

پرندوں کی چہچہاہٹ اور پتوں کی سرسراہٹ بھی اس راگ میں شامل تھی، مگر ابھی، شام کی دیر سے، یہ آوازیں جیسے تھوڑی مدھم ہونے لگی تھیں اور فضا میں ایک ہلکی سی متوقع خاموشی چھانے لگی تھی۔

زنیر نے مرجان کی طرف دیکھا، اور آہستہ سے پوچھا،

"آپ کو ایک دلچسپ بات بتاؤں؟"

مرجان ابھی جواب دیتی اس سے پہلے ہی، زنیر بول پڑا۔

"ریسٹ ہاؤس کے بالکل سامنے ایک قدیم غار ہے۔" ہاتھ سے اس طرف اشارہ کیا۔

"وہ دیکھ رہی ہیں؟ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہاں شہزادہ سیف الملوک اور پری بدیع الجمال نے پناہ لی تھی۔"

مرجان نے حیرت سے اسے دیکھا۔ جیسے کہہ رہی ہو۔

"سیریسلی؟ تم کب سے ان باتوں پر یقین کرنے لگے؟"

زنیر نے اس کے تاثرات پر دھیان نہ دیا، اور آگے بولا،

"کہا جاتا ہے، جب وہ دونوں غار میں آئے، تو اوپر سے پتھر گرنے سے راستہ بند ہو گیا۔ تب سے لوگ اسے شہزادہ سیف الملوک اور بدیع الجمال کی محبت کا ایک لازوال ثبوت ماننے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

لگے۔کچھ کہتے ہیں یہ شہزادے کے روحانی سفر کی داستان ہے،اور زیادہ تر اسے صرف جھیل سیف الملوک سے منسوب ایک رومانوی قصہ کہتے ہیں۔"

"اچھا۔"مرجان نے مختصر کہا،تاہم اس کے لہجے میں تذبذب پنہاں تھا۔

زنیر نے اسے غور سے دیکھا۔پھر ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ بولا،

"مقامی باشندوں کا عقیدہ ہے کہ سیف الملوک اور بدیع الجمال آج بھی غار میں زندہ ہیں۔ ویسے اس روایتی لوک داستان ہی کی وجہ سے ناران کی اُس خوب صورت جھیل کا نام 'سیف الملوک' پڑا۔آپ کا کیا خیال ہے؟وہ زندہ ہیں؟"زنیر نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

مرجان نے تھوڑا جھک کر دریا کی طرف نظر ڈالی،اور کہا،

"میں کیا کہہ سکتی ہوں،مجھے ان داستانوں میں اتنی دلچسپی نہیں۔"

"تو پھر آپ کی دلچسپی کس میں ہے،وکیل صاحبہ۔"یہ سوال پوچھتے زنیر کی آنکھوں میں موجود اداس سا تاثر پل بھر کے لیے غائب ہوا۔جو،مرجان کی نظروں سے مخفی نہیں رہا۔ وکیل کے چہرے پر کوئی جواب نہیں تھا۔

"کسی میں نہیں۔"اس نے مدھم آواز میں کہا۔

"اچھا،ادھر آئیں ذرا۔"زنیر نے دریا کے قریب جا کر،اس کا پانی ہاتھ میں بھرا،اور مرجان کی طرف بڑھایا۔

"یہ دریا انہی مقدس جھیلوں کے پگھلے ہوئے گلیشیئرز کا حاصل ہے،اسی لیے ہمیشہ ٹھنڈا اور میٹھا رہتا ہے۔ محسوس کریں۔"

مرجان نے پہلے زنیر کے ہتھیلیوں میں موجود شفاف آب کو دیکھا پھر اپنا ہاتھ پانی میں ڈالا، لیکن فوراً باہر نکال لیا، پانی یخ تھا۔

وہ واقف تھی کہ دریائے کنہار صرف ایک دریا نہیں، بلکہ وادیِ کاغان کی رگوں میں دوڑتا وہ لہو ہے جو پوری وادی کو زندگی بخشتا ہے۔ مگر، اسے اندازہ نہیں تھا کہ زنیر کو اس دریا اور وادیوں سے اتنا گہرا انس ہو گا۔

زنیر نے پانی واپس دریا میں بہا دیا، جیسے یہ منجمد کر دینے والا پانی ہاتھ میں بھرنا معمولی سی بات ہو۔اسے مرجان کی سوالیہ نظروں کا اندازہ تھا،البتہ تصدیق کی خاطر اس کی طرف نظر دوڑائی۔اندازہ درست ثابت ہونے پر اس نے ہلکی سی اداس مسکراہٹ کے ساتھ دریا پر نگاہ جمائی اور گویا ہوا۔

"ایلیشیا کو ان داستانوں سے بہت لگاؤ تھا۔شروعات میں مجھے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ مگر...جب وہ کھوئی تو مجھے یہ سب قریب لگنے لگا۔اسے کھونے کے بعد سے مجھے اس سے متعلق ہر شے خاص کر ان داستانوں سے انس ہو گیا۔"

"وہ مل جائے گی۔" زنیر کے خاموش ہونے پر مرجان نے مرجھائی ہوئی امید کو پختہ کرنا چاہا۔

"مجھے یقین ہے... تاہم" زنیر کی آواز نہایت دھیمی تھی۔ مسکان مدھم ہو چکی تھی۔

"خیر، کچھ نہیں، چلیں، وہ آنے والا ہو گا۔" وہ کچھ کہتے کہتے رک کر بات بدل گیا۔ مرجان نے بھی اس سے دوبارہ پوچھنا درست نہ سمجھا۔

دونوں نے ریسٹ ہاؤس سے سامان لیا اور جھیل سیف الملوک کے لیے روانہ ہوئے۔

مخبر نے کہا تھا کہ چونکہ رات کے وقت اس جھیل سے منسلک داستانوں کے باعث بہت ہی کم لوگ یہاں آتے ہیں۔ اس لیے، وہ ان سے وہیں ملے گا۔

رات کا پچھلا پہر تھا اور ناران کی سڑکوں پر ہو کا عالم تھا۔ زنیر کی نظریں سامنے بل کھاتی چڑھائی پر جمی تھیں، جہاں اندھیرا کسی دیومالائی مخلوق کی طرح راستہ روکے کھڑا تھا۔

****

نیلگوں جھیل کے اس پار، جہاں وقت کی لہریں کسی اور قانون کے تابع تھیں۔ جہاں فضا کبھی ساکت نہیں رہتی تھی۔

محل کے عظیم الشان ہال میں موسیقی اور قہقہوں کا سیلاب امڈ آیا تھا۔ رقص کرتے سائے شفاف دیواروں پر دیو قامت ہیولوں کی مانند لرز رہے تھے، جیسے خوشی خود کوئی بے رحم مخلوق ہو جو ہر شے کو اپنی گرفت میں لے چکی ہو۔ شیش محل کی دیواروں پر وہاں موجود ہر فرد کا عکس تھا۔ اگر وہ عکس باطنی خوبصورتی کو مزید خوبصورت کر کے دکھا رہے تھے، تو وہ اندرونی خلفشار کا عکاس بھی تھا۔

اور اس ہنگامے کے عین مرکز میں،

ملکہ۔

وہ اپنی شاہانہ نشست پر براجمان تھی۔ مہرون ریشم کا لباس اس کے وجود پر ایسے سج رہا تھا جیسے اقتدار نے اسے اوڑھ رکھا ہو۔ کافی براؤن بال کندھوں پر آبشار کی طرح بہہ رہے تھے، مگر اس کی آنکھیں.... وہ دو گہری جھیلیں تھیں، جن میں اس لمحے فتح کی سرد چمک تھی۔

وہ بظاہر سامنے رقص کرتے درباریوں کو دیکھ رہی تھی، لیکن درحقیقت اس کی نگاہیں اپنی ہی روح کے ایک تاریک گوشے میں اتری ہوئی تھیں۔

وہاں، جہاں فیصلے گونجتے ہیں، اور ان کی قیمتیں خاموشی سے لکھی جاتی ہیں۔

آج مردوں کو محل میں آنے سے نہ روکا گیا تھا۔

آج تخت کی نحوست اپنے انجام کو پہنچی تھی۔

آج لوگ اپنی فتح کے خمار میں، ایک نام کو یادوں کی زمین میں دفن کر چکے تھے۔

شہزادہ۔

ملکہ آہستہ سے اپنی نشست سے اٹھی۔ لباس سنبھالتے ہوئے وہ قیصرہ خاتون کی طرف بڑھی۔

جہاں، محل میں ہر سُو جشن کا سماں تھا۔ وہیں، اس قیدی کے کمرے میں اندھیرا اپنا ڈیرا جما چکا تھا۔

محافظہ کے سر کی پشت اب بھی دیوار سے ٹکی تھی مگر اس بار اس کے بیٹھنے کے انداز میں شکست خوردگی نہ تھی۔

آنکھیں صحرا بن چکی تھیں۔

چہرے پر پتھریلی سنجیدگی تھی۔

البتہ، زنجیروں میں بندھے ہاتھ اب آزاد تھے۔

ہال سے آتا شور و غل یہاں تک سنائی دے رہا تھا۔ اور، یہ خوشی اس کے اعصاب پر کسی بھاری ہتھوڑے کی طرح برس رہی تھی۔

ذہن خاموش، دھڑکن اب بھی بھاری۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

چاندی کے رنگ کا لباس پہنے مؤرخہ، اپنے کمرے سے باہر آئی۔ سوجن زدہ آنکھوں کو اس نے اپنے معمول کی حالت میں لانے کی بے حد کوشش کی تھی۔ تاہم، وہ ناواقف تھی کہ اپنی اس کوشش میں وہ کس حد تک کامیاب ہو سکی تھی۔ ہال کی سمت جاتے اس کا دل بار بار ڈوب کر ابھرتا۔

قدم مضبوط تھے، قامت سیدھا، مگر ایک لمحے کو، صرف ایک لمحے کو، اس کی سانس ذرا گہری ہوئی۔

جسے اس نے فوراً سنبھال لیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

قیصرہ خاتون ملکہ کے قریب جھکیں۔

"سب بے حد خوش ہیں، ملکہ۔ آپ کو کچھ کہنا چاہیے۔"

ملکہ نے جواب میں کچھ نہ کہا۔

اس نے صرف ہال پر نظر دوڑائی۔ مسرور چہرے، چمکتے جام، مطمئن آنکھیں۔

یہ سب وہ لوگ تھے جن کے لیے آج صرف ایک نحوست ختم ہوئی تھی۔

مگر اس کے لیے....

یہ اپنی ہی جڑوں کو کاٹنے جیسا ثابت ہوا تھا۔

قیصرہ خاتون کے ہاتھ کا لمس اس کی کلائی پر محسوس ہوا۔اس لمس میں ایک یاد دہانی تھی کہ وہ ان کے ساتھ تھیں۔

ملکہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

قیصرہ نے شیشے کے گلاس سے چمچ کو ٹکرا کر سب کو خاموش کروا کر اپنی جانب متوجہ کیا۔

لوگ ہمہ تن گوش ہو گئے۔

موسیقی تھم گئی۔

قہقہے خاموش ہو گئے۔

سب کی نظریں ہال کے بلند ستونوں کے درمیان کھڑی ملکہ پر مرکوز تھیں۔

"میرے عزیز اہلِستان..."

دوسری طرف،اس قیدی کے کمرے میں جہاں شہزادہ کبھی قید تھا،اب محافظہ دیوار سے لگی کھڑی تھی۔ہال سے اٹھنے والا نعروں کا شور اسے اپنی ہی بے بسی کا تمسخر اڑاتا محسوس ہوا۔

اس نے آہستگی سے جیل کی سلاخوں کو چھوا۔

"تم نے صحیح کہا تھا، شہزادے۔" اس نے سرگوشی کی۔ اور اس کی آواز اندھیرے میں تحلیل ہو گئی۔

"تخت بدل جاتے ہیں، تاج بدل جاتے ہیں، مگر اس محل کی دیواریں لہو مانگتی تھیں اور ہمیشہ مانگتی رہیں گی۔"

اس کے چہرے کی پتھریلی سنجیدگی اب ایک 'عزم' میں بدل رہی تھی۔ اگر ہال میں بیٹھے لوگ ان دونوں کی یاد سلا چکے تھے تو وہ اسے جگانے کا ہنر جانتی تھی۔

ملکہ کی آواز میں وہی گرج تھی جو اس کا خاصہ تھی۔ مگر ساتھ ہی، اس میں ایک عجیب سی نقاہت بھی تھی، جسے اس نے وقار کے لبادے میں لپیٹ لیا۔

اور کوئی بھی اس لپیٹ کو کھول نہ سکا۔

"آج سے اس تخت پر بیٹھنے والی ہر ملکہ اس خوف سے آزاد ہو گی جو نسلوں سے ہمارا مقدر تھا۔ ہم نے آج ایک باب بند کیا ہے... تاکہ ایک نئی تاریخ لکھی جا سکے۔"

وہ کہتے کہتے رک گئی۔

اس کی نظر ہال کے آخری سرے پر جا ٹھہری۔

جہاں چاندی کے لباس میں ملبوس مؤرخہ داخل ہو رہی تھی۔

ایک لمحے کے لیے، صرف ایک لمحے کے لیے، سارا شور، ساری رونقیں جیسے ہوا میں تحلیل ہو گئیں۔

ان دونوں کی نظریں ملیں۔

ملکہ نے مؤرخہ کی آنکھوں میں وہ سوال دیکھا۔

جو لازم نہیں کہہ سنایا جائے، ہوتے ہیں نا، اکثر سوال وقت کے دل میں بغیر کہے بھی ثبت ہو جانے والے۔

"ہر فتح کی ایک قیمت ہوتی ہے۔"

ملکہ نے دوبارہ بولنا شروع کیا،

"اور وہ قیمت.... ہم نے آج چکائی ہے۔"

اس کے الفاظ مضبوط تھے، مگر اس کے ہاتھ میں تھاما ہوا جام ہلکا سا لرزا تھا۔

وہ لرزش کسی نے نہ دیکھی۔

وہ ملکہ تھی۔

اسے دیکھا نہیں جاتا تھا، صرف مانا جاتا تھا۔

ہاں، ایک فرد ضرور تھا جس نے ملکہ کے بدلاؤ کو محسوس کیا، مؤرخہ۔ ان کا ساتھ پرانا تھا۔ وہ ایک دوسرے کی حرکت کی وجہ کو جانتی اور سمجھتی تھیں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

چہرے پر اذیت بھری مسکراہٹ ابھری۔

"ملکہ، میں نے کتنا روکا تھا آپ کو۔ مگر، آپ نے اس جلتی بھٹی کا انتخاب خود کیا ہے۔"

وہ صرف سوچ سکی۔

قیصرہ خاتون نے ملکہ کو گلے سے لگا لیا۔

تالیاں گونج اٹھیں۔

نعرے بلند ہوئے۔

اور اسی شور میں، ملکہ نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں موند لیں۔

احساسِ جرم اس کے گلے میں کسی کٹیلی تار کی طرح چبھ رہا تھا۔

اس نے ایک ایسے شخص کو اس جہنم کے حوالے کیا تھا

جو اس کے اپنے وجود کا حصہ لگتا تھا۔

تاج اس کے سر پر تھا۔

مگر اس ساعت...

وہ کسی جلاد کے پھندے جیسا بھاری محسوس ہو رہا تھا۔

کیا ایک سلطنت کی قیمت واقعی اتنی ہی ہولناک ہوتی ہے؟

ملکہ نے آنکھیں کھول لیں۔

وہ ملکہ تھی، وہ لوگوں پر حکومت کرنے کے لیے بنی تھی۔

اب بھی، چہرے پر وہی وقار، وہی طاقت۔

جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

مگر کہیں، بہت گہرائی میں،

ایک دراڑ پڑ چکی تھی۔

وہ محافظہ تھی، اپنے ساتھیوں کی محافظ، جسے ساتھیوں کی سلامتی اپنے وجود سے زیادہ محبوب تھی۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ کب یہ ساتھی ٹوٹی ہوئی لڑی سے گرتے موتی کی طرح یوں بکھر گئے۔

اسے کوئی راستہ نکالنا ہی تھا۔ ذہن میں خیال ابھرا۔ غائبہ کی طرف سے دیے گئے خط پر لکھا وہ جملہ۔۔

"کنواں موت نہیں نجات ہے۔"

کیا وہ اس نجات کو آزمائے؟ اگر آزمائے تو کیسے؟

وہ مؤرخہ تھی، اپنے محبوب لوگوں کی تکلیف کو خود پر محسوس کرنے والی۔

اس وقت وہ ہر ایک کے غم کو خود پر محسوس کر رہی تھی۔

فی الوقت، سب سے مسکرا کر مبارکباد وصول کرتے اسے اپنا آپ ظالم لگا۔

تاہم، اس کی مسکراہٹ کا کھوکھلا پن ملکہ کے سوا کوئی محسوس نہ کر سکا۔

****

ہال کی چکاچوند اور کھوکھلے پن سے وقفہ لے کر ہم لوٹتے ہیں جھیل کے بوجھل ماحول میں۔

غائبہ کے سوال پر خاموشی ابھی اور گہری ہونے ہی والی تھی کہ اچانک، وہ سفید روشنی، جو اب تک پہاڑوں کی اوٹ سے ایک ساکت ستون کی مانند دکھائی دے رہی تھی، حرکت میں آ گئی۔

مدھم سی گڑگڑاہٹ، جو جیسے خود کو ماؤف کر رہی ہو، ایک لمحے میں دہاڑ بن گئی۔ انجن کی آواز نے تاریک سکوت چیر دیا۔ سناٹا ٹوٹا، اور اس کے ٹکڑے فضا میں بکھر گئے۔

"وہ آ گئے!"

غائبہ نے بے ساختہ شہزادے کی آستین تھام لی۔ مگر، اس کی آواز میں کوئی خوف نہ تھا۔ جیسے یہ متوقع تھی۔

شہزادہ پل بھر کو ساکت رہا۔ آنکھیں اس مدھم سے گہرائی کا سفر طے کرتی روشنی پر تھیں، مگر ذہن بہت پیچھے۔

"مگر... وہاں لکھا تھا کہ وقت ساکت ہے اور لوگ مجسم۔" شہزادے نے نہایت ٹھنڈے لہجے میں کہا۔ اس کے چہرے پر خوف کے بجائے ایک تجزیاتی سنجیدگی تھی۔ اس کے نزدیک اگر یہ کتاب غلط ثابت ہو رہی تھی، تو یہ زیادہ پریشان کن بات تھی۔

"وہاں یہ بھی تو لکھا تھا کہ ہم ان سے ملیں گے جن کا لہو ہمارے لہو سے جڑا ہو گا!" غائبہ نے اسے وہ ادھوری حقیقت یاد دلائی جسے اس کا دماغ شاید 'غیر منطقی' سمجھ کر رد کر رہا تھا۔

شہزادے نے اس کی طرف دیکھا۔ اس نظر میں نہ حیرت تھی، نہ خوشی۔

وہ جو یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ لوگ اتنا عرصہ اپنے اپنوں کو یاد نہیں رکھتے، کہ وقت اتنا بے رحم ہوتا ہے کہ یادیں بھی مٹا دے، وہ اندازہ غلط ثابت ہو رہا تھا۔ وہ اپنے اس یقین کے ٹوٹنے پر مسرور نہ تھا۔ اس نے فوراً ارد گرد کا جائزہ لیا۔ کوئی حل سوچنے لگا۔ وہ حقیقی طور پر یہ مان بیٹھا تھا کہ کوئی نہیں آئے گا۔ اس بار اس کی نگاہیں جھیل پر نہیں، ارد گرد پناہ کی تلاش میں تھیں۔

"ادھر... اس چٹان کے پیچھے۔" اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"میں چھپنا نہیں چاہتی۔" غائبہ نے آہستہ مگر واضح کہا، "میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ وہ کون ہیں۔"

شہزادے نے ایک لمحے کو توقف کیا۔ پھر اس کی نگاہ ان کے اپنے حلیے پر گئی۔ شاہی لباس، تھکن سے بوجھل وجود، اور وقت سے کٹے ہوئے چہرے۔

"اپنے تجسس کو ایک طرف رکھیں اور ذرا اپنے حلیے پر غور کریں، محترمہ!" شہزادے کا اشارہ ان کے مٹی سے اٹے شاہی لباس اور پراگندہ حالت پر تھا۔ "اس حالت میں ہمارا سامنا کسی کے لیے خوشی سے زیادہ 'دہشت' کا باعث بنے گا۔"

اس نے غائبہ کے لباس کے ایک کونے کو گرفت میں لیا اور جیپ کے باعث ماحول میں ہوئی ہلکی روشنی کی مدد سے کوئی جگہ دیکھنے لگا۔ وہ جھیل کے کنارے سے دور ہٹنے لگے۔ جیپ ان کی سمت نہیں آئی۔ شاید بلندی پر ہونے کے باعث ڈرائیور کی نظر ان ہیولوں پر نہیں پڑی تھی۔

شہزادے کا ہاتھ لاشعوری طور پر کمر کے اس حصے پر ٹھہرا جہاں کبھی اس کی تلوار ہوا کرتی تھی۔ اس کی آنکھیں تنی ہوئی تھیں۔ دماغ ممکنہ صورتحال کے لیے دفاعی نقشے بنا رہا تھا۔

'کیا اپنوں سے بھی کبھی کسی کو خطرہ ہوا ہے؟' یہ سوال غائبہ کے ذہن میں ابھرا، تاہم شہزادے کا محتاط انداز اور تنی ہوئی پشت دیکھ کر اسے احساس ہوا کہ جس دنیا سے وہ آ رہے ہیں۔ وہاں 'لہو کے رشتے' ہی سب سے زیادہ خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔

****

اتنے میں کوسٹر رکی۔

لڑکوں نے سامان اتارا اور جھیل کے قریب واقع، پہلے سے بک شدہ ریسٹ ہاؤس کی طرف بڑھ گئے۔

کہانی سناتی مرال اور سننے والی غزل، جن کا کچھ انہماک اب داستان کے ساتھ بندھ چکا تھا۔ جی بھر کر بدمزہ ہوئیں۔ جیسے کسی نے عین عروج پر چراغ گل کر دیا ہو۔

غزل کے والد نے ان کی طرف دیکھا،

"چلیں بچوں، باقی باتیں کل کر لیجیے گا۔ ابھی اپنے کمروں میں جائیں، آرام کریں۔"

دونوں خاموشی سے اٹھیں۔ غزل کے بھائی نے انہیں ان کا کمرہ دکھایا۔

ریسٹ ہاؤس کے کمرے میں لکڑی کے فرنیچر اور پرانے قالینوں کی مہک رچی ہوئی تھی۔

باہر جھیل کی ہواؤں کا شور کھڑکی کے شیشوں سے ٹکرا کر ایک عجیب سی موسیقی پیدا کر رہا تھا۔

کچھ دیر بعد، فریش ہو کر جب غزل بیڈ پر آ کر بیٹھی، تو مرال نے اسے اس طرح دیکھا جیسے شکاری اپنے شکار کو دیکھتا ہے۔ لومڑی جیسی مسکراہٹ لبوں پر آئی تو غزل نے منہ بسورا۔

"ابھی بھی کہانی؟ نہیں یار..." اس نے جھنجھلا کر کہا۔

"بس تھوڑی سی..." مرال نے منت کی۔ "پلیززز۔"

اور غزل نے ایک بار پھر ہار مان لی۔

"اچھا، میری ماں، سنالو۔"

کچھ مرال کی خاطر، کچھ اپنے تجسس کے سبب۔

مرال پھر شروع ہوئی۔

غزل، جو خود بھی کچھ تھکن اور تجسس کے درمیان لٹک رہی تھی، بیڈ کے سرہانے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ مرال نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کمبل درست کیا اور وہیں سے بات جوڑی جہاں کوسٹر کے رکنے پر ٹوٹی تھی۔

"تو... کہاں تھی میں؟ ہاں! وہ سیف الملوک جس کی آنکھیں بارہ سال تک صرف ایک خواب کی تعبیر کے لیے ترستی رہی تھیں۔"

مرال کی آواز اب دھیمی اور گہری ہو گئی تھی، جیسے وہ خود اس طلسم کا حصہ ہو۔

"جب بدیع الجمال اس کے سامنے آئی۔ تو وہ شہزادہ جو زمانے کی خاک چھان کر آیا تھا۔ ایک لمحے میں مٹی ہو گیا۔ بارہ برس کی ریاضت، اتنی خوبصورتی میں ڈھل کر اس کے سامنے کھڑی تھی کہ آنکھیں یقین سے انکار کر گئیں۔ وہ کسی سحر میں جکڑا، اس کے گرد آہستہ آہستہ گھومنے لگا۔ جیسے خود کو یقین دلانا چاہتا ہو کہ یہ خواب نہیں۔ تین بار اس نے اس کے گرد طواف کیا، بالکل ویسے جیسے کوئی عقیدت مند کسی مقدس ہستی کے گرد گھومتا ہے۔ آخر کار، وہ اس کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ آنسو زمین میں جذب ہونے لگے، مگر وہ خاموش رہا۔ کیونکہ

سچی محبت میں زبان سے پہلے آنکھیں بولتی ہیں۔وہ جانتا تھا کہ شاہ پری کو اس کے خلوص پر یقین تھا، پھر بھی اس نے آزمانا چاہا۔"

غزل نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔

"پری نے اسے آزمایا کیوں؟ کیا بارہ سال کی جدائی کافی نہیں تھی؟"

"انسان کو اس کا محبوب اتنی آسانی سے نہیں ملتا، غزل۔" مرال نے صوفیانہ انداز میں کہا۔

"بہر حال، شاہ پری اس پر طنز کے نشتر چلاتی رہی، اور شہزادہ.. وہ بس نگاہیں جھکائے سنتا رہا۔ وہ خاموشی اس کی سب سے بڑی دلیل تھی۔ہاں، بس کبھی کبھی، چوری سے، اس پیکرِ حسن کو دیکھ لیتا۔"

کمرے میں واحد روشنی، بیڈ کے سائیڈ ٹیبل پر رکھے لیمپ کی تھی۔جو مرال کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ جس سے منظر میں ایک عجیب سی پراسراریت آگئی تھی۔

"پھر وہی ہوا جو ہمیشہ ہوتا ہے، جدائی۔جب بدیع الجمال کو اس کے خلوص پر کامل یقین ہو گیا۔تب، اس نے کہا، 'مجھے اپنی دادی (یا پھوپھی) سے تمہارا ذکر کرنا ہو گا۔ان کی رضا ضروری ہے۔' وہ آخری بار ملی، اور شہزادے کے نصیب میں ایک بار پھر جدائی لکھی گئی۔ تاہم، اس بار اس کے پاس 'امید' تھی۔جب انتظار حد سے بڑھا اور شاہ پری نہ لوٹی۔وہ خود اس کی منزل کی طرف چل پڑا۔شہزادہ سیف الملوک مصر کا والی نہیں رہا، وہ ایک درویش بن گیا

جو کلامِ پاک کی تلاوت کرتا تو پہاڑ بھی لرزنے لگتے۔ جن، انس، چرند، پرند.... سب اس کے درد میں شریک ہو جاتے۔"

ادھر بدیع الجمال کی آزردہ حالت دادی سے نہ دیکھی گئی۔ وجہ پوچھی گئی، اور اس نے جھیل والی پوری داستان، اپنے جذبات سمیت کہہ سنائی۔ جب شہزادہ اس مقام پر پہنچا، تو اس نے کلامِ پاک ایک بار پھر پڑھنا شروع کیا۔ آواز میں سرور بھی تھا اور درد بھی۔"

"بدیع الجمال کو جب اس کی آواز پہنچی۔ وہ تڑپ اٹھی۔ اس نے اپنی دادی سے کہا، 'اسے ایسا جواب نہ دیجئے گا کہ وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے، کیونکہ اگر وہ نہ رہا، تو میری سانسیں بھی باقی نہیں رہیں گی۔'

مرال خاموش ہوئی تو کمرے میں ایک دم سے گہرا سکوت چھا گیا۔ ایسا لگا جیسے وہ "سانسیں" ابھی بھی اس جھیل کی فضاؤں میں کہیں بھٹک رہی ہوں۔

"تمہیں لگتا ہے غزل..." مرال نے سرگوشی کی۔ "کہ آج بھی کوئی کسی کے لیے اس طرح تڑپ سکتا ہے؟ کہ آج بھی یہ جھیل کسی کی تلاوت پر ساکت ہو سکتی ہے؟"

غزل نے کھڑکی سے باہر سیاہ پہاڑوں کی طرف دیکھا۔ اس کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔

****

زنیر نے جیپ جھیل کے قریب موجود ریسٹ ہاؤس پر روکی۔ جھیل کے ساحل سے ذرا ہٹ کر بنا یہ ریسٹ ہاؤس، قدیم دیودار کی لکڑی اور بھاری پتھروں سے تعمیر شدہ ایک ایسی عمارت تھی جو وقت کی گرد میں اٹی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔اس کی ڈھلوانی چھتوں پر چاند کی پڑتی مدھم روشنی اسے جاذبِ نظر بنا رہی تھی۔

"اب آپ اندر جا کر بیٹھیں میں ثبوت اور معلومات اکھٹی کر کے آتا ہوں۔"

"میں ساتھ جاؤں گی۔شام میں ہم نے جہاں جانا تھا۔ہم وہاں بھی نہیں گئے۔"مرجان نے قطعی انداز میں کہا۔

"اس نے کہا تھا، میں اکیلے آؤں اور شام میں ہم اس لیے نہیں جا پائے کہ جن سے ملنا تھا وہ یہاں نہیں تھے اسی باعث کل تک یہاں رکنا پڑ رہا ہے۔"زنیر نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"آر یو میڈ؟ میں سمجھتی ہوں کہ ہم وہاں کیوں نہیں جا سکے لیکن مخبر میرے کیس سے متعلق معلومات بھی لا رہا ہے۔میں کیسے نہ جاؤں؟"مرجان نے اکھڑے لہجے میں کہا۔

"وہ دراصل...."

ابھی وہ بات مکمل کرتا کہ کسی نے اسے دور سے آواز دی۔

"زنیر!"

اس نے گردن دائیں طرف موڑی تو ایک کوسٹر کے قریب ازہمیر کھڑا تھا۔اس کے چہرے پر بے ساختہ ایک خوشگوار مسکراہٹ پھیل گئی۔ازہمیر سے ہوئی ہر ملاقات یادگار ہوتی تھی۔ خاص کر ان کی پہلی ملاقات تو وہ کبھی بھول ہی نہیں سکتا تھا۔ازہمیر اس کی طرف آیا،زنیر نے بھی اس کی جانب قدم بڑھائے۔

وہ اسے دیکھتے ہی بحث پسِ پشت ڈال چکا تھا اور اب آگے بڑھ کر اسے گلے لگا رہا تھا۔

"ازہمیر! تم یہاں؟اس وقت؟"

ازہمیر نے مسکراتے ہوئے اس کی پیٹھ تھپتھپائی۔

"میں تو فیملی کے ساتھ آیا ہوں۔بہن کی ضد تھی کہ یہاں گھومنا ہے۔سوچا کہ رات جھیل کے قریب گزاری جائے۔مگر تم؟تم یہاں کیسے؟"اب وہ اس سے الگ ہوا اور اس نے حیرت سے زنیر کی طرف دیکھا۔

"بس یار،کچھ کام تھا اور پھر سوچا ذرا گھوم پھر لیں۔"زنیر نے نپے تلے انداز میں کہا،کچھ راز، راز ہی رہیں تو بھلے لگتے ہیں۔

دونوں چند پل خاموش رہے تو مرجان،جو اب تک خاموش کھڑی تھی۔ضد بھرے لہجے میں دھیمے انداز میں بولی،

"زنیر،اس وقت جھیل اکیلے گھومنے کی کوئی تک نہیں بنتی، میں تمہارے ساتھ جاؤں گی۔ اکیلے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

ازہمیر نے زنیر کی طرف دیکھا اور پھر مرجان کی طرف۔وہ سمجھ نہ سکا کہ مرجان نے کیا کہا یا وہ کون ہے؟

"مرجان، یہ ازہمیر ہے۔میرا پرانا دوست۔"زنیر نے تعارف کروایا، پھر ازہمیر کی طرف مڑا۔

"اور ازہمیر، یہ مرجان ہیں۔وکیل ہیں اور فی الحال، میری 'سرپرست' بھی، کیونکہ ان کے بغیر میرا کوئی کام سیدھا نہیں ہوتا۔"زنیر نے ہلکی سی شرارت سے کہا۔

ازہمیر کے لبوں پر ہنسی بے ساختہ تھی۔

"خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔زنیر جیسے شخص کو سنبھالنا واقعی کسی وکیل ہی کا کام ہو سکتا ہے۔"

مرجان، جواب تک زنیر کی اکیلے جانے کی ضد پر سیخ پا تھی، اس نے اِس شخص کا بغور جائزہ لیا۔ازہمیر کی آنکھوں میں ایک گہرا ٹھہراؤ تھا۔

"تعریف کا شکریہ، مگر آپ کے دوست اس وقت کچھ زیادہ ہی 'ایڈونچر' کے موڈ میں ہیں۔"

مرجان نے ہاتھ باندھتے ہوئے کہا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"رات کے اس پہر جھیل کے کنارے اکیلے جانا! مجھے تو کوئی عقلمندی نہیں لگتی۔"

ازہمیر نے ایک گہری نظر زنیر پر ڈالی اور پھر مرجان سے مخاطب ہوا۔

"وکیل صاحبہ، اس شہر اور اس جھیل کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہاں عقل سے زیادہ 'نصیب' چلتا ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں، میری فیملی بھی یہیں ہے۔ آپ میری بہن، مرال اور میری منکوحہ غزل کے ساتھ رکیں۔ زنیر جلد واپس آجائے گا۔"

مرجان کچھ کہنا چاہتی تھی، مگر ازہمیر کے لہجے میں ایسی متانت تھی کہ وہ انکار نہ کر سکی اور کچھ زنیر بھی اسے کہہ چکا تھا کہ وہ اکیلے جائے گا۔ یہ بات اور تھی کہ اتنا لمبا سفر کروانے پر اور آخر میں یوں اکیلے جانے پر زنیر کی بعد میں کوئی خیر نہیں تھی۔ اس نے زنیر کو ایسے دیکھا جیسے کہہ رہی ہو، "اب بچنا ذرا تم"۔ پھر وہ ازہمیر کی طرف مڑی۔

"ٹھیک ہے، اگر آپ کہہ رہے ہیں تو۔" مرجان نے ہار مانتے ہوئے کہا۔

وہ مرجان کو ریسٹ ہاؤس کے اندر لے گیا۔ جہاں مرال اور غزل موجود تھیں۔ ان دونوں کو اندر جاتا دیکھ کر وہ جھیل کی سمت مڑ گیا۔

یہ جھیل...

جس کے کنارے کبھی قہقہوں کی بازگشت تھی، آج فقط خاموشی تھی، دل کو بوجھل کر دینے والی خاموشی۔ گو کہ اس کنارے کے ساتھ چند خوشگوار یادیں بھی وابستہ تھیں، مگر بری یادوں کا وزن کہیں زیادہ تھا۔

ایلیشیا...

یہ نام اس کے ذہن کی اسکرین پر ابھرا۔ وہ مسکرا بھی نہ سکا۔ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے، ڈھلکے ہوئے کندھوں کے ساتھ وہ یونہی تیز قدموں سے چلتا رہا۔ وہ بس چاہتا تھا کہ یہ فاصلہ جلد از جلد طے ہو۔ ثبوت ہاتھ آئیں اور وہ یہاں سے لوٹ جائے اس جھیل سے، اس کرسٹڈ جھیل سے۔

ادھر ازہمیر مرجان کو کمرے میں چھوڑ کر واپس آیا اور اپنے اور غزل کے بھائی کے مشترکہ کمرے میں چلا گیا۔

****

پچیس اکتوبر دو ہزار تیئیس۔

رات کے آٹھ بجے۔

از ہمیر، مرجان کا تعارف کروا کر جا چکا تھا۔ وہ تینوں ہلکی پھلکی باتوں میں مصروف رہیں۔

چونکہ یہ پہلی ملاقات تھی، اس لیے گفتگو بار بار ایسے مقام پر آ کر رک جاتی جہاں آگے کہنے کو کچھ نہ ہوتا۔

کچھ دیر بعد مرجان نے موبائل پر آئے ایک پیغام کا مختصر جواب دیا، پھر دونوں کی طرف دیکھا۔

"اگر آپ کو ٹھنڈ نہ لگ رہی ہو تو... کیا میں بالکنی میں جا سکتی ہوں؟"

اس نے شیشے کے بنے سلائیڈنگ دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"شیور، آپ جا سکتی ہیں۔"

غزل کے جواب کے ساتھ ہی مرجان اٹھ کھڑی ہوئی۔ نئے لوگوں سے گھلنا ملنا اسے سخت ناپسند تھا۔ ایک تو وہ فطرتاً انٹروورٹ تھی، اوپر سے ٹرسٹ ایشوز... افف۔ بالکنی میں کھڑے اسے زنیر دور جاتا دکھائی دیا۔ وہ چند لمحے وہیں ٹھہری رہی۔

کمرے کے اندر، مرال بیڈ پر غزل کے قریب بیٹھ گئی۔ سائیڈ ڈراور سے ایک میگزین نکالتے ہوئے بولی،

"ایک دلچسپ بات بتاؤں؟"

"ہمم..." غزل نے نظر میگزین سے ہٹائے بغیر جواب دیا۔

"کہتے ہیں سیف اُلملوک نے بدیع الجمال کو خواب میں دیکھا تھا۔ صرف ایک خواب... مگر ایسا خواب جو انسان کو چین سے جینے نہیں دیتا۔"

"خواب؟ واقعی؟" غزل کو یہ بات کچھ بے تکی سی لگی۔

مرال کی نظر لاشعوری طور پر بالکنی میں کھڑی مرجان پر گئی۔ مرجان اسے اچھی لگی تھی، مگر اس کے گرد موجود ایک پراسرار، خوف دلاتا سا ہالہ... مرال نے اس خیال کو جھٹک دیا اور بولتی رہی۔

"وہ اس خواب کے پیچھے نکل پڑا۔ جنگل، پہاڑ، دریا... ہر وہ جگہ جہاں انسان کو نہیں جانا چاہیے۔" وہ لمحہ بھر رکی۔ "اور جب وہ یہاں پہنچا، اس جھیل کے کنارے، تو پریوں کی دنیا اس پر کھل گئی۔"

"یہ تو تم مجھے پہلے بھی بتا چکی ہو۔" غزل ہنسی۔

"ہاں۔ مگر وہ دنیا ہر کسی پر نہیں کھلتی۔ کہتے ہیں صرف وہی دیکھ سکتا ہے جو اپنے دل سے ڈوبنے کو تیار ہو۔" اب مرال کی نظریں غزل کے چہرے پر تھیں۔ "سیف اُلملوک نے بدیع الجمال سے محبت کی۔ مگر پری اور انسان کا ملنا کائنات کے قانون کے خلاف تھا۔"

"پھر؟" غزل کی آواز بے اختیار نکل گئی۔

Clubb of Quality Content

"پھر آزمائشیں آئیں؛ جادو، جدائی، وقت کا بکھر جانا۔ کہتے ہیں ایک وقت ایسا آیا جب دونوں کو ایک ہی جگہ پر ہونا تھا، مگر ایک ہی دنیا میں نہیں۔"

اسی لمحے ہوا نے زور پکڑا۔ مرجان نے شال کو پھیلا کر پہنا البتّہ وہ اب بھی بالکنی میں کھڑی رہی۔ مرال نے اپنے گرد کمفرٹر لپیٹ لیا۔

"لوگ کہتے ہیں۔" مرال نے آہستہ کہا، "آج بھی اگر رات کے وقت جھیل کے پانی میں غور سے جھانکو تو دو عکس نظر آتے ہیں؛ ایک جو یہاں کا ہے اور ایک جو یہاں کا نہیں۔"

غزل نے سانس روکے رکھا پھر کہا، "اور اگر کوئی پوچھے کہ وہ دونوں ملے یا نہیں؟"

مرال مسکرائی، مگر اس مسکراہٹ میں عجیب سا درد تھا۔ "کہتے ہیں کچھ محبتیں ملنے کے لیے نہیں ہوتیں، وہ صرف راستہ دکھانے آتی ہیں۔ خیر... ہو سکتا ہے وہ ملے ہوں، ہو سکتا ہے نہ ملے ہوں۔ باقی کہانی میں تمہیں صبح سناؤں گی۔" مرال نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

"یہ کیا بات ہوئی، مرال!" غزل جھنجھلا اٹھی۔ اسی لمحے مرجان بالکنی سے اندر آئی اور باہر جانے لگی۔

"آپ اس وقت کہاں جا رہی ہیں؟" غزل نے پوچھا۔

"جن کے ساتھ میں آئی تھی۔وہ واپس آ گئے ہیں۔ان سے ملنے جا رہی ہوں۔"مرجان نے روانی سے کہا۔

"وہ واپس آ گئے ہیں...یا آپ ان کا پیچھا کرنے جا رہی ہیں؟"غزل نے بغیر توقف کے کہہ دیا۔

"ایکسکیوزمی؟"مرجان کو اس کا لہجہ سخت ناگوار گزرا۔

"نہیں،کچھ نہیں۔آپ جائیں۔بس از ہمیر آیا تو میں اسے کیا کہوں گی؟یہ تو نہیں کہہ سکتی نا کہ آپ کسی کا پیچھا کرنے جا رہی ہیں۔"مرال نے فوراً غزل کو چٹکی کاٹی کہ اپنا انداز درست کرے۔

"اول تو میں جہاں چاہوں،جس وقت چاہوں جا سکتی ہوں۔یہ میری مرضی ہے۔آپ کو میری ذاتیات میں مداخلت کی ضرورت نہیں۔نہ میں آپ کو جواب دہ ہوں،نہ آپ کے ہونے والے شوہر کو۔دوم،آئندہ مجھ سے اس انداز میں بات مت کیجیے گا ورنہ ابھی آپ مجھ سے واقف نہیں ہیں۔"

یہ کہہ کر مرجان دروازہ زور سے بند کرتی ہوئی باہر نکل گئی۔

چند منٹ بعد غزل بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔یہ جاننے کے لیے کہ وہ کہاں جا رہی ہے؛ گو کہ یہ ایک غیر اخلاقی حرکت تھی، مگر سارا دن ایک ہی جگہ بیٹھے رہنا اور کہانیوں کی تکرار...اسے بیزار کر چکی تھی۔اب اسے کچھ مختلف کرنا تھا۔اور کچھ نہ صحیح یہ ایڈونچر ہی صحیح۔

"جھیل تک؟اس وقت؟"مرال نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"ہاں...بس دل کر رہا ہے۔تم آؤ گی؟"

"نہیں۔"

"اوکے، میں جا رہی ہوں۔"

"کیا مطلب تم اکیلی جاؤ گی؟"

"ہاں۔"

"کیوں؟"

"بس....دل چاہ رہا ہے۔"

"اچھا رکو، میں بھی آ رہی ہوں۔تم اکیلی مت جاؤ۔اگر مگر کچھ نہیں کرنا۔ازہمیر بھائی کو برا لگے گا تمہیں اس پہر یوں اکیلے باہر دیکھ کر۔"

غزل کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔"ازہمیر..."اس نے کچھ کہنا چاہا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"ارے چھوڑیں جناب، چلیں، ہم چلتے ہیں۔" مرال نے بات ٹالتے ہوئے کہا اور شال اپنے گرد لپیٹ لی۔ کچھ ہی لمحوں بعد، کمرہ بالکل خالی تھا۔

****

وہ فریش ہو کر نکلا تو اس کے انداز میں عجیب سی بے چینی تھی۔ وہ باہر کی طرف بڑھا ہی تھا کہ پیچھے سے رعب دار آواز ابھری۔

"ازہمیر، اس وقت کہاں جا رہے ہو؟"

وہ ایک ثانیے کو رکا، پھر سنبھل کر بولا، "بس ذرا قریب ہی... دس منٹ میں واپس آ جاتا ہوں۔"

"بہتر تھا کہ اس وقت نہ جاتے۔ خیر، خیال سے جاؤ۔"

"جی، جی..."

وہ فرمانبرداری دکھاتا باہر تو نکل آیا، مگر یہ وہی جانتا تھا کہ یہ صرف دس منٹ کا معاملہ نہیں تھا۔ اب کے اس کے قدم بوجھل تھے، اور رخ جھیل کی طرف۔ یہ جھیل اسے خوف میں مبتلا کر دیتی تھی۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں اس نے شاہریز کو کھویا تھا۔ اس انسان کے ساتھ اپنا لاابالی پن، اپنی بے فکری، اپنی ہنسی، وہ ازہمیر، جو زندگی کو ہلکے میں لیا کرتا تھا، جیسے شاہریز کے ساتھ ہی کہیں کھو گیا۔

اب جو باقی تھا، وہ ایک خاموش، سنجیدہ اور اندر ایک گہرا خلا رکھتا شخص؛ جو ہر بار اس جھیل کے قریب آ کر، خود کو پھر سے ہارتا تھا۔

****

رات، آٹھ بج کر تیس منٹ۔

8:30pm..

مرجان کے قدم جھیل کی سمت اٹھ رہے تھے اور اس کا دل بے قابو ہو کر تیز دھڑک رہا تھا۔

غزل اور مرال دبے قدموں ریسٹ ہاؤس سے نکلیں۔ مرال کے چہرے پر خوف کی پرچھائیاں تھیں، جب کہ غزل کے انداز میں ایک عجیب سا جوش جھلک رہا تھا۔

ٹھنڈ بڑھتی جا رہی تھی۔ مرجان نے سیاہ شال کو اپنے گرد مضبوطی سے لپیٹ لیا۔ پتھریلا، غیر ہموار راستہ.... اور ہاتھ میں پکڑی ٹارچ بھی جیسے ساتھ چھوڑ چکی تھی۔ اچانک اس کا پاؤں ایک پتھر سے ٹکرایا۔ وہ لڑکھڑائی، گرنے ہی والی تھی کہ توازن قائم کرنے کو ہاتھ آگے بڑھایا اور یکدم ٹھٹک گئی۔

مرال نے فوراً غزل کا ہاتھ تھام لیا۔ چاند کی مدھم روشنی اور غزل کے ہاتھ میں پکڑی موبائل کی ٹارچ کے سوا وہاں کوئی مصنوعی اجالا نہ تھا۔ منظر خوبصورت کم، اور ہولناک زیادہ لگ رہا تھا۔ دور، جھیل نظر آ رہی تھی، ساکت، خاموش، جیسے سانس روکے کھڑی ہو۔

تبھی...

ایک پہاڑ کی اوٹ سے اچانک روشنی پھوٹی۔ غزل کے قدم بے اختیار اسی سمت بڑھنے لگے۔

مرال نے گھبرا کر سرزنش کی،

"غزل، پاگل مت بنو۔ واپس چلو!"

"دیکھنے تو دو، مرال..."

"نہیں! واپس چلو!"

مرال نے اس کا بازو کھینچا، مگر غزل نہ رکی۔ وہ اس جاذبِ نظر روشنی کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ اس کی آنکھیں سحر میں جکڑی لگتی تھیں۔ بے قابو پاتے دل کے ساتھ مرال نے اس اجالے کو دیکھا، جس میں عجیب سی کشش تھی، ایسی کہ مرال کو چاہتے نہ چاہتے اس کی سمت جانا پڑا...

****

زنیر مطلوبہ ثبوت حاصل کر کے ریسٹ ہاؤس لوٹا اور کاؤنٹر پر آ کر کھڑا ہو گیا تاکہ اپنے کمرے کی چابی لے سکے۔ تاہم، نہ وہاں کوئی موجود تھا نہ کوئی اس کے آواز دینے پر آیا۔ اس نے گھڑی دیکھی، نو بجنے میں پانچ منٹ باقی تھے۔ اسی لمحے ازہمیر بوجھل قدموں سے اندر داخل ہوا۔ زنیر کو کاؤنٹر پر کھڑا دیکھ کر چونکا۔

"کہاں گئے۔۔۔؟"

اس سے پہلے وہ سوال مکمل کرتا، زنیر نے پلٹ کر پوچھا، "بس یونہی۔ تم بتاؤ، گھوم آئے؟"

بات کرتے ہوئے ازہمیر کی نظر اس کے ہاتھ میں پکڑے بیگ پر جا ٹھہری۔

"اور یہ سامان...؟"

"یہ میرا ہی ہے۔"

"مگر پہلے تو تمہارے ہاتھ میں نہیں..." ازہمیر نے اسے شک بھری نگاہ سے دیکھا۔

اسی لمحے پس منظر میں گھڑی نے رات کے نو بجنے کا اعلان کیا۔ اور یکدم، جیسے دنیا ساکت ہو گئی۔ نہ آواز، نہ ہوا، نہ قدموں کی آہٹ۔ ریسٹ ہاؤس کی بتیاں جل رہی تھیں، البتہ ان کی روشنی میں کوئی حرکت نہ تھی، جو کہ بے حد عجیب تھا۔ راہداریوں میں لگی زرد بلب کے باعث، فرنیچر دیواروں پر کسی بدروح کی طرح لمبے ہو کر وہیں رک گئے تھے۔ لکڑی کے فرش پر بچھی پرانی قالینیں جو اپنا رنگ کھو چکی تھیں۔

وہاں موجود ہر شے، دیوار پر لگی پنڈولم والی گھڑی سے لے کر ہوا میں اڑتے گرد کے ذرات تک، ایک ماورائی جمود کا شکار ہو گئے۔ وہ منظر ایسا تھا جیسے کسی نے چلتی ہوئی فلم کو عین درمیان میں روک دیا ہو۔ یوں لگتا تھا جیسے وقت نے سانس کو تھام لیا ہو۔ ازہمیر زنیر کو

مشکوک نظر سے اور زنیر از ہمیر کو سادہ نظروں سے دیکھ رہا تھا، مگر وہ دونوں ہی جیسے مجسم ہو چکے تھے۔ سنسان فضا، بے جان لوگ۔ پھر... دھند سی چاروں طرف پھیلنے لگی۔

جب زنیر کو ہوش آیا تو وہ دونوں اب بھی کاؤنٹر کے قریب کھڑے تھے۔ مدھم سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ چند لمحے اسے سمجھ ہی نہ آیا کہ وہ کیا کہے، کوئی ایک احساس بے حد منفرد تھا۔۔ مانوس بھی، اجنبی بھی۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ یادداشت کسی خالی کمرے کی طرح تھی، دروازے موجود، مگر اندر کچھ نہیں۔ دونوں فراموش کر چکے تھے کہ کیا بات ہو رہی تھی۔

"یہاں کوئی کیسے نہیں آیا اب تک؟" زنیر نے بیزاری سے کہا۔

دیوار پر لگی گھڑی پر نظر پڑی۔ رات کا ایک بج رہا تھا۔

"چار گھنٹے؟" از ہمیر کے ماتھے پر بل آ گئے۔ "ہم یہاں چار گھنٹے کھڑے رہے؟"

زنیر کی نظر بھی وہیں پڑی۔ اس کی آنکھیں بھی متحیر ہوئیں۔۔ پھر ایک خیال آیا۔

"ہو سکتا گھڑی خراب ہو گئی ہو۔" اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

دونوں تقریباً ایک ساتھ کچھ کہنا چاہ رہے تھے، مگر خاموش ہو گئے۔ دل میں ایک ہی خیال تھا، کچھ ہے، جو ٹھیک نہیں۔

"آج میرے کمرے میں سو جاؤ۔اور منع مت کرنا۔ نجانے عملہ کہاں ہے،اب تم ساری رات تو یہاں کھڑے نہیں رہ سکتے۔" ازہمیر نے تحکمانہ لہجے میں کہتے ہوئے ذہن میں ابھرتے اضطراب کو جھٹکا۔زنیر خاموشی سے اس کے ساتھ چل دیا۔راہداری ویسی ہی سنسان تھی اور اب کسی بھول بھلیاں سی لگ رہی تھی۔زنیر اور ازہمیر جب وہاں سے گزر رہے تھے،تو ان کے قدموں کی چاپ بھی غیر لگ رہی تھی۔پیچھے،کاؤنٹر اب بھی خالی،نہ رجسٹر،نہ عملہ۔جیسے یہاں کبھی کوئی تھا ہی نہیں۔

اچانک کچھ یاد آنے پر زنیر کے ہاتھ جیب میں گئے۔اس نے موبائل نکالا اور مرجان کا نمبر ملایا۔وہ اسے بتانا چاہتا تھا کہ وہ واپس آ گیا ہے۔ہاں،وہ الگ بات تھی کہ ڈانٹ سننی پڑتی۔ ایک رنگ....دو...تین....پانچ...کوئی جواب نہیں۔وہ ہلکا سا پریشان ہوا۔مگر خیر، مرجان کی تو عادت تھی موبائل سائیلنٹ پر رکھنے کی۔

ازہمیر کے کمرے میں وہ داخل ہوئے تو تیمور سو رہا تھا۔بیگ رکھ کر وہ باہر آ گئے۔

"میں سوچ رہا ہوں،ایک بار مرال اور غزل کو دیکھ لوں۔کہیں کسی چیز کی ضرورت نہ ہو۔" زنیر نے اثبات میں سر ہلایا،اور دونوں ساتھ چل دیے۔

غزل اور مرال کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔اندر مکمل خاموشی۔دستک دی،کوئی جواب نہیں۔دروازہ کا لاک کھولا،ارد گرد نظر دوڑائی،کمرے کا خالی پن ان کا منہ چڑا رہا تھا۔بیڈ

ایسے جیسے ابھی ابھی کوئی اٹھا ہو۔ کمفرٹر ایک طرف پڑا تھا۔ غزل اور مرال کی شال غائب تھی۔

ازہمیر کا دل بیٹھنے لگا۔ ''یہ ٹھیک نہیں ہے۔'' انہوں نے اپنے آپ سے کہا۔ وہ دونوں تیزی سے باہر نکلے۔ چاروں طرف اندھیرا تھا۔ پہاڑ سائے بنے کھڑے تھے۔ دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا ہو۔ زنیر نے دوبارہ کال کی... پھر تیسری بار۔ ''وہ فون نہیں اٹھا رہی۔'' اس کی آواز میں پہلی بار گھبراہٹ صاف جھلک رہی تھی۔

ازہمیر نے پہاڑوں کی سمت دیکھا، پھر زنیر کی طرف۔ دل کے کسی کونے میں انجانا سا خدشہ جاگا۔

''مرجان!'' زنیر نے بلند آواز میں پکارا۔ جواب میں صرف بازگشت لوٹی۔

''مرال! غزل!'' ازہمیر کی آواز خوف سے کانپ رہی تھی۔

کیا یہ مقام ایک بار پھر ان سے اپنے لوگ چھین رہا تھا؟

دونوں کی نظریں ملیں۔ ''جیپ میں چلتے ہیں۔'' ازہمیر نے کہا اور جیپ کی سمت بھاگا۔

انہوں نے ہر سمت تلاش کی، پتھریلے راستے، ڈھلوانیں، کچے ٹریک۔ مگر کوئی نشان نہ ملا۔

تب ایک پہاڑ کی اوٹ سے شال کا کونا نظر آیا۔ غزل کی شال۔ ایک لمحے کو ازہمیر کو لگا جیسے

دل آزاد ہو گیا ہو۔قریب جا کر دیکھا، شال کا وہ حصہ ایک ٹہنی میں اٹکا رہ گیا تھا۔دل پھر ڈوب گیا۔زنیر کو نہ مرجان ملی، نہ اس کا کوئی نشان۔

"یااللہ! میں کیا کروں، یااللہ میں کیا کروں کیوں، کیوں یہ مقام مجھ سے وہی لوگ چھینتا ہے جن میں میری جان بستی ہے۔۔" وہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گیا۔مدھم کرب ناک آواز میں کہنے لگا، "میں تھک گیا ہوں...میں بہت تھک گیا ہوں...میں حد سے زیادہ تھک گیا ہوں۔" اس کی آواز بھرانے لگی۔اس نے بازو زمین پر رکھے اور ان میں چہرہ چھپا لیا۔ازہمیر جو پہلے ہی نجانے کیسے ہمت باندھے ہوئے تھا، زنیر کو یوں دیکھ کر اس کے دل کو دھکا سا لگا۔

"ابھی جھیل باقی ہے۔وہ مل جائیں گی..." اس نے نرمی سے زنیر کے قریب بیٹھتے ہوئے، اسے اور خود کو بھی تسلی دیتے ہوئے کہا۔

چند لمحوں بعد، وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔زنیر کی آنکھیں نم نہ تھیں، البتّہ ان میں سرخی بڑھتی جا رہی تھی۔ازہمیر کے گلے میں آنسو کا پھندا مزید تکلیف دہ ہونے لگا۔اور پھر ازہمیر کی نظر ٹھہر گئی۔ذرا دور چاندنی میں نہائی، ساکت جھیل۔اور اس کے قریب، ایک چٹان کی اوٹ میں...کوئی تھا۔وہی جھیل، جس سے اس کا دل ہمیشہ خوف کھاتا آیا تھا۔

زنیر نے اس کی نظر کا تعاقب کیا۔ ''وہ ادھر گئے ہوں گے...'' ازہمیر نے آہستہ کہا، جیسے اس سے زیادہ خود کو یقین دلانا چاہتا ہو۔ زنیر نے ایک لمحہ جھیل کو دیکھا، پھر چٹان کو۔ دونوں نے قدم بڑھا دیے۔

رات گہری ہو چکی تھی، مگر یوں لگتا تھا جیسے جھیل جاگ رہی ہو، جیسے پہاڑ اور چٹانیں انہیں کسی آنے والے المیے سے خبردار کر رہی ہوں۔ مگر کیسے المیے سے...؟

****

جھیل کے کنارے سرد ہوا کے جھونکوں نے ان کا استقبال کیا، مگر ان کے قدم اس وقت جم گئے جب جھیل سے اٹھتی دھند کے درمیان، پہاڑ کی اوٹ سے نظر آتے دو سایوں پر ان کی نظر ٹھہر گئی۔ وہاں تین کو ہونا چاہیے تھا۔ یہ دو کیوں تھے؟

دھند چھٹی تو ٹارچ کی روشنی میں لڑکی کا آدھا چہرہ واضح ہوا۔

"ایلیشیا؟" زنیر کے حلق سے ایک گھٹی ہوئی آواز نکلی۔ اس کی آنکھوں کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ لڑکی جو شاید دو برس قبل غائب ہو گئی تھی، جس کی تلاش میں اس نے دن رات ایک کر دیے تھے، وہ اس وقت اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کی بہن اس کے سامنے تھی۔

پہاڑ کی اوٹ میں ٹارچ کی روشنی سے بچاؤ کی خاطر شاہریز نے اس کی آستین کا کونا پکڑ کر اسے دوسری طرف کیا۔

ایلیشیا کو اپنی بصارت پر یقین نہیں آیا، وہ ہر وقت مضبوط رہنے والی غائبہ سے دوبارہ ایلیشیا بن گئی۔ وہ جو ہلکی سی چوٹ لگنے پر بچوں کی طرح اپنے بڑے بھائی سے لاڈ اٹھوایا کرتی تھی۔

زنیر نے بے ساختہ قدم اس طرف بڑھائے۔ ایلیشیا کے ہٹنے سے کسی مرد کی آنکھیں دکھیں۔

"شاہریز؟" ازہمیر کا لہجہ لرز رہا تھا۔ اس کا بھائی، جو نجانے کیسے اس سے چھن گیا تھا۔ وہ ایک شہزادے کے وقار کے ساتھ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ شہزادے کا وقار! کیسے؟

"بھائی یہ آپ ہو؟ آپ۔۔۔؟ کیسے؟" ازہمیر کے لفظ بے ربط ہوئے۔ پہاڑ کی اوٹ میں شاہریز ایک پل ساکت کھڑا رہا۔

زنیر اور ازہمیر اپنے جان سے عزیز ساتھیوں کی طرف بڑھنے لگے۔ ایک پل کو، ایلیشیا نے زنیر کی طرف جانا چاہا مگر شاہریز نے اسے روک لیا۔

"یہ وقت جذباتی ملاقات کا نہیں ہے۔ واپس چلیں، ہمیں راستہ ڈھونڈنا ہے۔"

"مگر،" ایلیشیا کی آواز بھرا گئی۔

"ایلیشیا نہ بنیں، خود تو جان سے جائیں گی بھائی کو بھی کھو بیٹھیں گی۔" شاہریز کا تبصرہ نہایت بے رحمانہ تھا۔

"غائبہ، کیا آپ میری بات سمجھ رہی ہیں؟" شاہریز کے لہجے میں شہزادے والا رعب اتر آیا۔

غائبہ نے گردن ہاں میں ہلائی اور قدم واپس پلٹائے۔ انہیں جلد از جلد وہاں جانا تھا جہاں سے انہوں نے چلنا شروع کیا تھا۔ اس کا خیال تھا دوبارہ بڑھتی دھند انہیں ان دونوں کی نظروں سے اوجھل کر دے گی اور ہو سکتا تھا واپس جا کر انہیں اُس دنیا میں واپسی کا کوئی راستہ مل جائے۔

****

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

دھند میں سایوں کو غائب ہوتے دیکھ کر ایک پل کو زنیر اور ازہمیر کے قدم وہیں جم گئے۔ وہ دونوں کسی پتھر کی طرح ساکت، اپنے سامنے موجود اس جیتے جاگتے معجزے کو دیکھ رہے تھے جسے وہ کھو چکے تھے۔

"ایلیشیا! میری بات سنو، تم کہاں جا رہی ہو؟" زنیر نے تڑپ کر پکارا، مگر ایلیشیا (غائبہ) نے پلٹ کر نہیں دیکھنا تھا، سو نہ دیکھا۔ اس کے آنسو ٹھنڈی فضا میں جم سے گئے تھے۔ وہ

جانتی تھی کہ اگر اس نے ایک بار اپنے بھائی کی آنکھوں میں جھانک لیا، تو وہ کبھی واپس نہیں جا پائے گی۔

شاہریز نے جھیل کے بائیں جانب موجود ان اونچے پہاڑوں کی طرف اشارہ کیا جہاں دھند سب سے زیادہ گہری تھی۔ "وہاں! وہیں سے راستہ نکلے گا جہاں سے وقت کا دائرہ ٹوٹا تھا۔"

وہ دونوں تیزی سے اس سمت جانے لگے جہاں اندھیرا کسی غار کی مانند منہ کھولے کھڑا تھا۔

چاہنے کے باوجود وہ زیادہ تیز رفتار نہ اپنا سکے۔ ازہمیر اور زنیر، عقل و ہوش سے بیگانہ، ان کے پیچھے دوڑ پڑے۔ پتھروں سے ٹھوکریں لگ رہی تھیں، یخ بستہ ہوا پھیپھڑوں میں اتر کر سانس لینے کو مشکل بنا رہی تھی، مگر وہ رکنے والے نہیں تھے، کم از کم اس بار نہیں۔ ٹارچ کب کہاں گری، انہیں ہوش نہ تھا۔

اچانک، پہاڑ کے دامن میں ایک چٹان نظر آئی، اس پر ایک خاص قسم کی دراڑ تھی۔ جیسے ہی شاہریز اور ایلیشیا اس کے دہانے پر پہنچے، ازہمیر نے شاہریز کا کندھا پکڑ لیا۔

"میں آپ کو دوبارہ نہیں جانے دوں گا بھائی! چاہے کچھ بھی ہو جائے!" ازہمیر کی آواز میں صدیوں کی پکار تھی۔ لہجہ نم، آنکھوں میں زخمی پن۔

زنیر نے دیوانگی سے ایلیشیا کا ہاتھ تھامنا چاہا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"میں تمہیں دوبارہ نہیں کھونے دوں گا! تم کہیں نہیں جا رہی ہو! سنا تم نے؟" اس کی نم آواز میں بڑے بھائیوں والی تنبیہ تھی۔ بال ماتھے پر بکھر چکے تھے۔ چہرہ نہایت ستا ہوا۔

ایلیشیا نے نم آلود نظروں سے اسے دیکھا۔

"ادا، یہ ضد کا وقت نہیں ہے۔ میرا وہاں ہونا اس دنیا کی سلامتی کے لیے ضروری ہے۔" التجائی انداز میں کہا گیا۔

"بھاڑ میں گئی دنیا!" زنیر کی آنکھیں خطرناک حد تک سرخ تھیں۔ آواز بلند، لہجہ غضب ناک۔

شاہریز نے مڑ کر اپنے بھائی کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے وہی پرانا نرم تاثر جھلکا، مگر پھر وہ پرانے شاہریز کا عکس غائب ہوا۔

"ازہمیر، اگر ہم یہاں رک گئے تو نہ یہ دنیا رہے گی نہ وہ دنیا۔ یہ قربانی ہم دونوں کو دینی ہو گی۔"

"کیسی دنیا، کیسی قربانی؟" ازہمیر نے جھنجھلائے انداز میں کہا۔

شہزادے نے کچھ نہ کہا اور اس کی جانب اپنی پیٹھ کر لی۔

"چلے جاؤ ازہمیر!"

از ہمیر نہ سن کر اس کی طرف بڑھا اور دوبارہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھنا چاہا، شاہریز فوری طور پر مڑا۔ اسی اثنا میں، از ہمیر کا ہاتھ بے خیالی میں اس قدیم غار کے دہانے کو ڈھانپے کھڑی اس چٹان پر پڑا۔ جیسے ہی اس کے ہاتھ کا لمس چٹان کے ایک مخصوص حصے سے ٹکرایا، ایک زوردار گونج سنائی دی اور برسوں سے بند غار کا دہانہ ایک پراسرار نیلی روشنی کے ساتھ کھل گیا۔ جگنو جگمگانے لگے، مدھم مقدس روشنی میں راہداری نمودار ہوئی۔

نیلی روشنی کی تپش تھی یا کچھ اور، زنیر اور از ہمیر نے بازوؤں سے آنکھیں ڈھانپ لیں۔

شہزادے نے فوراً غائبہ کو دیکھا اور غائبہ نے اس کی آنکھوں کا تاثر پڑھ لیا۔ دونوں نے قدم غار کے اندر بڑھائے۔

"نہیں!" زنیر نے ایلیشیا کا ہاتھ تھام لیا۔ "میں ساتھ آؤں گا! اگر راستہ وہیں کا ہے تو میں بھی وہیں جاؤں گا!"

"نہیں ادا! یہ تمہارا راستہ نہیں ہے۔ اس غار کے پیچھے جو سورج ڈھلتا ہے، وہ کبھی طلوع نہیں ہوتا۔ تم ابھی اجالوں کے امین ہو۔" ایلیشیا نے آخری بار مڑ کر اسے دیکھا۔ اس کی نظروں میں الوداعی درد تھا۔

وہ دونوں تیزی سے غار کے اندر داخل ہوئے۔ زنیر اور از ہمیر، عقل و ہوش سے بیگانہ، ان کے پیچھے غار میں دوڑ پڑے۔

"رکو! واپس جاؤ! تم یہاں نہیں آ سکتے!" شاہریز نے پیچھے مڑ کر انہیں خبردار کیا، مگر دیر ہو چکی تھی۔

"ادا، نہیں رک جائیں۔۔۔" نم آواز میں چیخ کر کہا گیا۔ لیکن، دیر ہو چکی تھی۔ غار کے اندر جگنو غائب ہوئے، اب وہاں ایک پراسرار روشنی رقص کر رہی تھی۔ شاہریز نے آخری بار پیچھے مڑ کر دیکھا، اس کے لب کچھ کہنے کے لیے ہلے، مگر اسی لمحے ایک ہولناک گرج سنائی دی۔

اوپر سے بھاری بھر کم پتھر ایسے گرے جیسے کسی نے کائنات کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا ہو۔ غار کا دہانہ مکمل طور پر بند ہو چکا تھا۔ باہر صرف جھیل کی خاموشی تھی اور اندر... چار وجود، دو دنیاؤں کا سنگم اور ایک ایسا سفر جس کی کوئی واپسی نہ تھی، صرف گھپ اندھیرا تھا اور وقت کے رک جانے کا وہ مہیب احساس، جو اب ان چاروں کا مقدر بن چکا تھا....

کیا زنیر اور از ہمیر اس جادوئی دائرے سے باہر نکل پائیں گے یا تختِ نحس انہیں ہمیشہ کے لیے اپنا اسیر بنا لے گا؟

کیا مرجان، غزل اور مرال کسی انہونی کا شکار ہوئی ہیں؟

وضاحتی نوٹ:

"اس قسط میں جھیل سیف الملوک کے پس منظر اور اس سے وابستہ طلسماتی عناصر کے حوالے، صوفی بزرگ اور عظیم شاعر حضرت میاں محمد بخشؒ کی لافانی تخلیق 'سفر العشق' (قصہ سیف الملوک) سے ماخوذ ہیں۔ کہانی کے جادوئی تانے بانے بننے کے لیے اس قدیم لوک داستان سے استفادہ کیا گیا ہے۔"

جاری ہے

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

مزید بہترین ناول/افسانے/آرٹیکل/مختصر کہانیاں اور معیاری شاعری پڑھنے کے لئے

نیچے دیئے گئے لنک پر کلک کریں۔

شکریہ!

Clubb of Quality Content

www.novelsclubb.com

ہماری ایپ ڈاؤنلوڈ کریں اور رسائی حاصل کریں بے شمار مزے دار ناولوں تک

Download our app

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری،ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک،انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842